﴿بسم الله الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریمؐ وعلیٰ عبدہ المسیح الموعودؑ﴾

انصارالدین

جلد ۳ نمبر ۵

ستمبر اکتوبر ۲۰۰۶ء

انصاراللہ کا عہد

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

مَیں اقرار کرتا ہوں کہ اسلام اور احمدیت کی مضبوطی اور اشاعت اور نظام خلافت کی حفاظت کے لئے انشاءاللہ تعالیٰ آخر دم تک جدوجہد کرتا رہوں گا اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہوں گا۔ نیز مَیں اپنی اولاد کو بھی ہمیشہ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرتا رہوں گا۔

(انشاءاللہ تعالیٰ)

فہرست مضامین

مدیر اعلیٰ
ڈاکٹر شمیم احمد

مدیر (اردو)
محمود احمد ملک

نائبین
عبدالمجید عامر
حسن خان

مدیر (انگریزی): **احد بھنو**

مینیجر: **محمد اسحٰق ناصر**

"Ansaruddin" 181 London Road, Morden, Surrey SM4 5HF   e-mail address: ansaruddin_uk@yahoo.co.uk

اداریہ:

پوپ Bendict نے حال ہی میں جرمنی میں اسلام اور بانی اسلام کے خلاف بیان دے کر مذہبی منافرت کے شعلوں کو ہوا دینے کی کوشش کی ہے اور سارے عالمِ اسلام کو دلی اذیت پہنچائی ہے۔ اسلامی ممالک کے احتجاج کے نتیجہ میں پوپ نے معافی مانگ لی ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک معمر، جہاندیدہ اور تعلیم یافتہ انسان جو کیتھولک عیسائیوں کا عالمی سربراہ بھی ہے، اسے بانی اسلام کے خلاف بیان دینے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی اور بیان بھی ایسا فرسودہ کہ جس کا حوالہ چودھویں صدی کے ایک متعصب اور شدید معاند عیسائی بادشاہ کے ساتھ منسلک ہے۔

جب اس بات کا تجزیہ کیا جائے اور ویٹیکن کے ماضی کو دیکھا جائے تو ایک بات صاف نظر آتی ہے کہ ابتداء سے ہی ویٹیکن کی بنیاد مذہبی منافرت پر استوار کی گئی تھی اور ان میں مذہبی رواداری کا مکمل فقدان نظر آتا ہے۔ پہلے یہود ان کے تعصب کا نشانہ بنے ہوئے تھے کیونکہ انہیں یہود کا بڑھتا ہوا اثر و رسوخ خوفزدہ کئے رکھتا تھا کہ وہ یورپ پر مسلط ہو جائیں گے۔ موجودہ دور میں یورپ میں مسلمانوں کی آمد اور ان کی تبلیغی مساعی کی بناء پر وہ اسلام فوبیا کا شکار ہو رہے ہیں اور اسلام کے خلاف بیان بازی ایک فیشن بن گیا ہے اور پوپ بھی اسی رو میں بہہ کر مذہبی منافرت کو بھڑکا رہے ہیں۔ اس کا مقصد مسلمانوں کے خلاف تعصب کی آگ بھڑکانے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

اس بیان بازی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ موجودہ پوپ میں شروع سے ہی مذہبی رواداری کا فقدان ہے اور وہ سب مذاہب کو یرقان زدہ نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ دو سال قبل جبکہ وہ ابھی کارڈینل تھے انہوں نے فرانس کے ایک اخبار Le Figaro کو انٹرویو دیتے ہوئے کھل کر یہ بیان دیا تھا کہ ترکی جیسے اسلامی ملک کو یورپی منڈی میں شامل نہیں کیا جانا چاہیے اور یورپ میں عیسائیت کے تسلط کو برقرار رکھنا چاہئے اور ہر قیمت پر اسلام کے اثر و نفوذ کو روکنا چاہیے۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے دوسرے (غیر کیتھولک) عیسائیوں کے خلاف بھی بیان دیا کہ وہ اصل عیسائی نہیں ہیں۔

دنیا میں پہلے ہی بدامنی پھیلی ہوئی ہے۔ سیاسی اختلافات اور مذہبی منافرت کے اس دور میں پوپ جیسے منصب پر فائز مذہبی رہنما سے تو یہ توقع کی جانی چاہیے کہ وہ دنیا سے نفرت کو ختم کرنے کی کوشش کرے اور امن و امان کے قیام اور استحکام کی سعی کرے۔ وقت اس بات کا متقاضی ہے کہ اختلافات کو نمایاں کرنے اور مذہبی منافرت کی خلیج کو وسیع کرنے کی بجائے دنیا میں قیامِ امن کی کوشش کی جائے۔ مذاہب میں جو امور قدرِ مشترک رکھتے ہیں ان کا ذکر کیا جائے۔ اسلام اور عیسائیت میں بہت سی اخلاقی اور مذہبی اقدار مشترک ہیں۔ دونوں مذاہب کی تعلیم میں خاندانی اقدار، بڑوں کی تعظیم، عبادتگاہوں کو آباد رکھنا اور عفت و پاکیزگی قدرِ مشترک ہیں۔ دونوں مذاہب میں اسقاطِ حمل، ہم جنس پرستی اور دیگر بداخلاقیوں کے خلاف تعلیم میں اتفاق پایا جاتا ہے۔ کیوں نہ دونوں مذاہب کی مشترک تعلیم کو بنیاد بنا کر نفرت کی دیواروں کو گرانے کی کوشش کی جائے۔

پوپ کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ وہ ایک پوپ ہی تھا (یعنی پوپ Urban II) جس نے 1095 میں اسلام کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکائی تھی اور اس کے ذریعہ صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا تھا جس سے ایک ہولناک تباہی ہوئی تھی۔ پوپ کو اپنے چرچ کا وہ کردار بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے جب وہ قرونِ وسطیٰ میں مذہبی تحقیقات کے نام پر ہزار ہا بے گناہ مردوں، عورتوں اور بچوں کے المناک قتل و غارت میں ملوث ہوا تھا۔ آج بھی اس دور کی تاریخ پڑھ کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور حیرت ہوتی ہے کہ اس وقت عیسائی رہنماؤں نے کس قدر بہیمانہ سلوک کے ساتھ انسانوں کو شدید اذیتوں سے گذار کر قتل کروایا تھا اور سینکڑوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ اس سفاکانہ قتل و غارت کی تاریخ اتنی طویل اور بھیانک ہے کہ اس کے مطالعہ سے انسان آج بھی کانپ اٹھتا ہے۔ وہ تاریخ کسی مسلمان کی مرتب شدہ نہیں ہے بلکہ خود پوپ کے ہم مذہبوں کے ہاتھوں سے لکھی گئی تھی اور آج بھی محفوظ ہے۔

حیرت ہوتی ہے کہ جن کا اپنا ماضی اس قدر سفاکانہ اور ظالمانہ ہے اور ان کے ہاتھ لاکھوں بے گناہ اور معصوم انسانوں کے خون سے لتھڑے ہوئے ہیں وہی آج امن و سلامتی کے شہزادے، معصوموں کے سردار اور رحمۃ اللعالمین پر دنیا میں برائی پھیلانے کا الزام لگا رہے ہیں۔ تم نے پہلے بے گناہ انسانوں کے خون سے ہولی کھیلی تھی اور تمہارے ہاتھ ان کے خون سے رنگے ہوئے ہیں اور اب تم شرافت، عقل اور انصاف کا خون کر رہے ہو۔

عیسائیوں میں بالعموم اور کیتھولک پادریوں میں بالخصوص یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ انہوں نے دیگر مذاہب کا بالکل مطالعہ نہیں کرنا۔ اگر انہیں موازنہ مذاہب کے نام پر تعلیم بھی دی جاتی ہے تو ہمیشہ غلط حوالوں سے دی جاتی ہے اور عام فہم باتوں کو بھی تعصب کی نگاہ سے دیکھنے کی وجہ سے سمجھ نہیں سکتے۔ پوپ بھی اس مرض کا شکار ہیں اور اسلام کے متعلق ان کا علم مخدوش حد تک محدود ہے اور اپنی کور بینی کی وجہ سے وہ ایسا بیان دے چکے ہیں۔ اسلامی تاریخ تو ایک طرف اگر انہوں نے صرف یورپ کے غیر متعصب دانشمندوں اور صاحبِ فراست مؤرخین کو ہی پڑھا ہوتا تو وہ ایسا بیان دینے سے اجتناب کرتے۔ یورپ کے بے شمار فلاسفروں، تاریخ دانوں اور دانشمندوں نے جب نبی کریم ﷺ کی زندگی، سیرت اور اخلاقِ حسنہ کا مطالعہ کیا تو وہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے کہ "محمد (ﷺ) کی زندگی کی تمام تر عظیم فتوحات میں آپؐ کے اعلیٰ اخلاق کا پہلو کارفرما نظر آتا ہے" (ایڈورڈ گبن)۔

لیکن تم اپنی کور چشمی کی وجہ سے اُن اعلیٰ اخلاق کو دیکھنے سے قاصر ہو اور ہمیشہ قاصر رہو گے۔ قرآن کریم نے تم جیسوں کے لئے فرمایا ہے **مُوتوا بغیضکم**۔ (آل عمران:120)

درس القرآن

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (سورۃ الاحزاب: 22)

ترجمہ: تمہارے لئے (یعنی ان لوگوں کے لئے) جو اللہ اور اخروی دن سے ملنے کی امید رکھتے ہیں اور اللہ کا بہت ذکر کرتے ہیں، اللہ کے رسول میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے (جس کی پیروی کرنی چاہیئے)۔

سورہ احزاب کی اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے رسولؐ میں بنی نوعِ انسان کے لئے ایک اعلیٰ نمونہ ہے تا کہ وہ اس سے اپنے اخلاق سنوار سکیں۔ نبی کریم ﷺ کی زندگی میں جنگ احزاب بہت اہم اور مشکل ترین وقت تھا۔ ہر طرف سے دشمن کے حملہ کا خطرہ تھا اور اقتصادی اور سماجی حالات بھی مخدوش تھے مگر تمام مشکلات کے باوجود آپؐ کامیاب و منصور رہے اور آپ سے اعلیٰ اخلاق کا ظہور ہوا۔ کسی انسان کے اخلاق کو جانچنے کا بہترین معیار یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ خطرات اور مشکلات کے وقت اس کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے اور کامیابی اور فتح کی صورت میں جبکہ اسے حالات پر مکمل قدرت حاصل ہو اس سے کن اخلاق کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ہم نبی کریم ﷺ کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ خطرات اور مشکلات کے وقت بھی اور فتح اور کامیابی کے وقت بھی آپؐ سے اعلیٰ ترین اخلاق کا ظہور ہوا۔ مختلف جنگوں کے موقعہ پر آپؐ نے بے مثال توکل الی اللہ اور برداشت اور بہادری کا مظاہرہ کیا اور فتح مکہ کے وقت بھی عظیم الشان اخلاق کا سلوک اپنے جانی دشمنوں سے فرمایا جس کی مثال کہیں نہیں دکھائی دیتی۔ مصائب اور خطرات آپؐ کو خوفزدہ نہ کر سکے اور آپؐ کے پائے استقلال میں لرزش نہیں آئی اور فتوحات کے مواقع پر آپؐ نے کبھی فخر اور غرور کا مظاہرہ نہیں کیا۔ جنگِ حنین کے موقع پر جبکہ آپؐ اکیلے رہ گئے تھے، نہ صرف آپؐ کو بلکہ اسلام کی بقاء کو خطرہ لاحق تھا، آپؐ کمال شجاعت کے ساتھ دشمن کے سامنے سینہ سپر رہے اور بلند آواز سے فرماتے رہے انا النبی لاکذب انا ابن عبد المطلب۔ یعنی میں اللہ کا نبی ہوں اور سچا ہوں اور تم خدا اور اس کے رسول کو شکست نہیں دے سکتے۔ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ میں ایک انسان ہوں اور ایک انسان کا بیٹا ہوں اور کوئی فخر نہیں مگر یاد رکھو کہ خدا تعالیٰ میری پشت پناہی کے لئے کھڑا ہے۔ اسی طرح فتح مکہ کے وقت جب سب دشمنان کی جانیں آپ کے قبضہ قدرت میں تھیں آپؐ کو طاقت کے نشہ نے مغلوب نہیں کیا۔ اسی کے متعلق ایک انصاف پسند پادری ریورنڈ بوس ورتھ سمتھ یہ کہنے پر مجبور ہوا کہ ''اب وہ وقت تھا کہ جب آپؐ اپنے عزائم کی تکمیل کر سکتے تھے اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے انتقام لے سکتے تھے مگر ایسا نہ ہوا۔ محمد (ﷺ) کے مکہ میں فاتحانہ انداز میں داخل ہونے کے واقعہ کو ماریس کے روم میں جانے کے واقعہ سے ملا کر موازنہ کیا جائے اور تمام حالات کا جائزہ لیا جائے اور جو ظلم فتح سے قبل ہوا اسے دیکھا جائے اور جو سلوک فتح کے بعد مفتوح قوم کے ساتھ کیا گیا تو اس سے عرب کے نبی کا تحمل اور اس کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ قتل و غارت کا کوئی پروگرام تیار نہیں کیا گیا اور نہ ظلم و ستم سے کام لیا گیا۔ ایک بیکس یتیم ہونے کی حالت سے ایک بڑے ملک کی سربراہی حاصل کرنا ایک بہت بڑی تبدیلی تھی مگر اس کے باوجود اس مقدس نبی نے ہر حال میں اپنے اعلیٰ اخلاق کا دامن تھامے رکھا'' (محمد اور محمد ازم)

وہ تمام لوگ جو آپؐ کے گرد جمع ہوئے اور آپؐ کے جانثار ساتھی بن گئے وہ آپؐ کے اعلیٰ ترین اخلاق کے گرویدہ اور چشم دید گواہ تھے۔ آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ، رفیق حضرت ابوبکر اور رشتہ دار حضرت علی اور آزاد کردہ غلام اس بات پر گواہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ حسن و احسان میں لاثانی اور انسانیت کے بلند وقار کو ظاہر کرنے والے وجود تھے۔ وہ لوگ جنہوں نے آپؐ کو قریب سے دیکھا وہ گواہ ہیں کہ آپؐ کی حیاتِ مبارکہ کا ہر پہلو بے مثال ہے اور آپؐ کی ذات کی خوبیاں اس قابل ہیں کہ ہر انسان آپؐ کے اسوہ حسنہ سے نمونہ حاصل کرے۔ آغاز میں آپؐ ایک یتیم تھے اور آخر میں ایک ملک کے فرمانروا بن گئے۔ بچپن میں ایک پروقار انسان تھے اور جوانی میں عفت و پاکیزگی، راستی اور سنجیدگی میں کوہِ وقار تھے۔ اسی لئے آپؐ کو قوم نے صدیق اور امین کا خطاب دیا۔ تجارت میں بے حد محنتی اور ایماندار ثابت ہوئے۔ اپنے سے بڑی عمر اور چھوٹی عمر کی عورتوں سے شادی کی اور ان میں ہر ایک گواہ تھی کہ آپؐ نہایت وفادار، مساوات سے سلوک کرنے والے اور خدائی صفات کے حامل انسان تھے۔ باپ کی حیثیت سے بے حد شفیق اور دوستوں کے لئے ایک مفید وجود، ہمدرد اور وفادار تھے۔ جب آپؐ کے سپرد ایک گمراہ معاشرہ کی اصلاح کا کام کیا گیا تو آپؐ نے اس مشکل ترین فریضہ کے لئے اپنی تمام طاقتیں اس راہ میں صرف کر دیں اور کوئی مشکل آپؐ کے پائے استقلال کو ڈگمگا نہ سکی۔ آپؐ بیک وقت ایک بہترین سپاہی بھی تھے اور ایک فتح نصیب جرنیل بھی۔ ایک دفعہ پسپا بھی ہوئے اور بے شمار مواقع پر فتح بھی حاصل ہوئی۔ ایک بہترین قانون ساز بھی تھے اور انصاف پسند منصف بھی۔ آپؐ ایک باشعور سیاست دان بھی تھے، استاد اور ایک قوم کے لیڈر بھی۔ آپؐ ایک وسیع ملک کے سربراہ بھی تھے اور ایک مذہب کے بانی بھی گویا بیک وقت بادشاہ اور نبی بھی۔ آپؐ کی زندگی سادگی کا بہترین نمونہ تھی، نہ کوئی ذاتی محل اور نہ کوئی محافظ۔ ان تمام باتوں کے باوجود آپؐ دلوں پر حکمران تھے۔ گھر کا کام کاج بھی کر لیتے تھے اور دوسروں کی بھی مدد کرتے تھے۔ کھانے میں سادگی اور تمام دن کے کاموں کے بعد راتیں خدا تعالیٰ کی عبادت میں گذار دیتے۔ ریورنڈ بوس ورتھ سمتھ لکھتا ہے ''مجموعی طور پر تعجب اس بات پر نہیں کہ بدلتے حالات کے ساتھ محمد (ﷺ) کتنا زیادہ بدل گئے بلکہ اس بات پر ہے کہ کتنی کم تبدیلی آپ میں آئی۔ صحرا میں گڈریا ہونے کی حیثیت میں، شام میں تجارت کے دوران، قوم کے مصلح ہونے کی حیثیت میں، مدینہ میں بے وطنی کے دوران، فاتح ہونے میں ایران کے خسرو اور یونان کے ہرکولیس کے مساوی ہونے پر۔ غرض ہر حالت میں آپؐ کے اعلیٰ اخلاق میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ میرے نزدیک کوئی انسان ایسا نہ ہوگا جس کی زندگی میں اس قدر تبدیلیاں بھی اس کے عالی اخلاق کو بدل نہ سکیں''۔

پس اس آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ کے اکمل ترین اخلاق کو پیش کیا گیا ہے کہ آپؐ کی ذات بنی نوع انسان کے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ آپؐ کی ساری زندگی اور اس کا ہر پہلو بے مثال اخلاقِ کریمانہ کا حامل ہے اور تا قیامت بنی نوعِ انسان کے کے لئے ایک بہترین ماڈل کے طور پر قائم رہے گا اور دنیا کا کوئی انسان اس میں آپؐ کا شریک نہیں۔

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خدا تعالیٰ کے سایہ میں جگہ پانے والے سات اشخاص

(تبرکات از حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سات آدمیوں کو (قیامت کے دن) اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کہیں پناہ کی جگہ نہ ہوگی۔ (ایک تو) انصاف کرنے والا حاکم (دوسرے) وہ جوان بھی جو کہ جوانی کی امنگوں میں بھی خدا کی عبادت میں مشغول رہا۔ (تیسرے) وہ جس کا دل مسجد میں لگا رہے۔ (چوتھے) وہ آدمی جنہوں نے اللہ کے لئے زندگی بھر دوستی رکھی اور اسی حالت پر مرے۔ (پانچویں) وہ مرد جس کو ایک مرتبہ والی خوبصورت عورت نے (برے کام کے لئے) بلایا تو اس نے کہا میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (چھٹے) وہ مرد جس نے اللہ کی راہ میں ایسے چھپا کر صدقہ دیا کہ دائیں ہاتھ سے جو کچھ دیا بائیں ہاتھ تک کو پتہ نہ لگ سکا۔ (ساتویں) وہ مرد جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا کہ اس کی آنکھیں بہہ نکلیں یعنی رو دیا۔

یہ حدیث ہمارے لئے ایک بہت بڑا سبق ہے۔ اس حدیث کی مثال ایسے ہی ہے۔ جیسے گورنمنٹ اعلان کرتی ہے کہ فلاں فلاں آسامیوں کو پُر کرنے کے لئے قابل آدمیوں کی ضرورت ہے اور وہ آدمی جو کہ ان آسامیوں کے لائق ہوتے ہیں ان مراتب پر فائز کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح خدا نے بھی اعلان کر دیا ہے کہ میں قیامت کے دن ایسے سات شخصوں کو اپنے سایہ میں جگہ دوں گا۔

(1) **الامام العادل**۔ دنیا کا یہ سارا کارخانہ صرف اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف کے بل بوتے پر قائم ہے۔ وہ اپنی تمام مخلوقات میں اپنی شہنشاہی پورے انصاف کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نظام عالم کو قائم رکھنے کے لئے سب سے پہلے عدل کا حکم دیا ہے۔ عورتوں، بیواؤں، یتامیٰ، مساکین، ظالم و مظلوم وغیرہ کا جب معاملہ پیش ہو تو جو شخص عدل و انصاف کو قائم رکھتا ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق قیامت کے دن خدا کے سایہ میں جگہ پائے گا۔ عام وخاص امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں سلوک ہو۔ ایک کافر بھی اگر عدل و انصاف سے کام لے تو اُسے اس کا بدلہ ملے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے فخر ہے کہ میں نوشیرواں کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ جو کہ عدل و انصاف کی وجہ سے مشہور تھا۔ ایک دفعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے کچھ مرید ایرانیوں کی ہجو کر رہے تھے تو خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام کو الہاماً فرمایا کہ اپنے آدمیوں کو منع کر دو۔ ایرانی اگرچہ کافر ہیں لیکن ان میں عدل و انصاف کا مادہ ہے۔ پس ضروری ہے کہ ہر شخص اپنے دائرہ اختیار میں عدل و انصاف کو برقرار رکھے اور ایسا کرنے والا قیامت کے دن ان سات آدمیوں میں سے ہوگا جو کہ خدا کے عرش کے سایہ میں جگہ پائیں گے۔

(2) دوسرے وہ شخص جو کہ عین نوجوانی میں خدا کی عبادت کرے۔ مذہب اسلام کی ایسی کامل تعلیمات ہیں جن کو دیکھ کر صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہی مذہب حقیقی طور پر کامل ہے۔ اس کے کسی حکم میں کسی قسم کا نقص نہیں۔ برہمو سماج نے عمر کے تین دور مقرر کئے ہیں۔ کچھ حصہ تو نوجوانی میں بسر کر دیا جائے اور کچھ حصہ کاروبار کی صورت میں اور آخری عمر میں جبکہ انسان ضعف قوت کی وجہ سے لاچار و معذور ہوتا ہے خدا کی عبادت کی طرف متوجہ ہو۔ جس شخص نے نوجوانی کی حالت میں خدا کی عبادت نہیں کی جب کہ اس کے قویٰ اس لائق تھے۔ کہ وہ دن میں بھی عبادت کر سکتا اور رات کو اٹھ کر بھی خدا کے حضور جھک سکتا۔ تو وہ بوڑھا ہو کر حق عبادت کس طرح کما حقہ ادا کر سکتا ہے۔ پس مذہب اسلام کی فوقیت کا یہ ایک بہت بڑا ثبوت ہے کہ اس نے عبادت کے لئے انسان کو شروع سے ہی ہدایت دی۔ دنیا میں دیکھ لو۔ ملازمت ملے گی تو نوجوان کو۔ اگر کوئی شخص سیاست میں حصہ لے سکتا ہے تو نوجوانی میں۔

(3) تیسرے وہ شخص بھی قیامت کے دن خدا کے سایہ میں جگہ پائے گا۔ جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہے یعنی وہ خیال کرے کہ نماز کا وقت ہوا کہ نہیں۔ اور جب اذان ہو تو جھٹ مسجد میں پہنچ جائے۔ لوگ گورنر وغیرہ کے دربار میں شامل ہونا فخر سمجھتے ہیں۔ اور وہاں تک رسائی پانے کے لئے درخواستیں دیتے ہیں اور جس روز دربار منعقد ہونا ہو تو گھنٹوں پہلے وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اور اِسے لوگوں کے سامنے فخریہ بیان کرتے ہیں۔ تو کیا یہ امر ہمارے لئے باعث فخر نہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے دربار میں پانچ وقت حاضر ہوتے ہیں۔

(4) وہ دو شخص جو صرف خدا کے لئے محبت کریں اور ان دونوں میں جو بھی کارروائی ہو، وہ صرف خدا کو خوش کرنے والی ہو، اپنے نفس کے متعلق کوئی خیال ان دونوں کے دلوں میں نہ آوے۔ تو ایسے شخص بھی قیامت کے دن خدا کے سایہ میں جگہ پائیں گے۔

(5) وہ شخص جس کو ایک حسین و جمیل عورت فعل بد کے لئے بلاتی ہے۔ تو وہ شخص یہ کہہ کر انکار کر دے: انی اخاف اللّٰہ۔ یعنی میں باز آیا اس فعل شنیع سے کیونکہ مجھ میں خوف خدا ہے۔ مَیں خدا کے عتاب و عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا امتحان ہے جو کہ صرف خدا کی ذات پر امید رکھتے ہوئے اور اسی سے خوف کھاتے ہوئے پاس کیا جا سکتا ہے۔ اس شخص کے اس عمل کا یہ نتیجہ ہوگا کہ خدا قیامت کے دن اسے بھی اپنے سایہ میں جگہ دیدے گا۔

(6) وہ شخص جو کہ صدقہ وخیرات چھپا کر کرے۔ یعنی کسی کو خبر تک نہ ہو۔ اسلام میں صدقہ وخیرات کا حکم سراً وعلانیہ دونوں طرح ہے۔ علانیہ اس لئے کہ اس کو دیکھ کر دوسروں کو تحریک ہو۔ اس حدیث میں صدقہ وخیرات چھپا کر دینے کا بڑا درجہ بیان کیا گیا ہے۔

(اگلے صفحہ پر جاری ہے)

کلام الامام

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

'' دنیا میں ایک رسول آیا تا کہ ان بہروں کو کان بخشے کہ جو نہ صرف آج سے بلکہ صدہا سال سے بہرے ہیں۔کون اندھا ہے اور کون بہرا؟ وہی جس نے توحید کو قبول نہیں کیا اور نہ اس رسول کو جس نے نئے سرے سے زمین پر توحید کو قائم کیا۔ وہی رسول جس نے وحشیوں کو انسان بنایا اور انسان سے بااخلاق انسان یعنی سچے اور واقعی اخلاق کو مرکز اعتدال پر قائم کیا۔ اور پھر بااخلاق انسان سے باخدا ہونے کے الٰہی رنگ سے رنگین کیا۔ وہی رسول، ہاں وہی آفتابِ صداقت جس کے قدموں پر ہزاروں مردے شرک اور دہریت اور فسق اور فجور کے جی اُٹھے اور عملی طور پر قیامت کا نمونہ دکھلایا نہ یسوع کی طرح صرف لاف وگزاف۔ جس نے مکہ میں ظہور فرما کر شرک اور انسان پرستی کی بہت سی تاریکی کو مٹایا۔ ہاں دنیا کا حقیقی نُور وہی تھا جس نے دنیا کو تاریکی میں پا کر فی الواقع وہ روشنی عطا کی کہ اندھیری رات کو دن بنا دیا۔ اس کے پہلے دنیا کیا تھی اور پھر اس کے آنے کے بعد کیا ہوئی؟ یہ ایک ایسا سوال نہیں ہے جس کے جواب میں کچھ دقت ہو۔ اگر ہم بے ایمانی کی راہ اختیار نہ کریں تو ہمارا کانشس ضرور اس بات کے منوانے کے لئے ہمارا دامن پکڑے گا کہ اُس جنابِ عالی سے پہلے خدا کی عظمت کو ہر ایک ملک کے لوگ بھول گئے تھے اور اس سچے معبود کی عظمت اوتاروں اور پتھروں اور ستاروں اور درختوں اور حیوانوں اور فانی انسانوں کو دی گئی تھی اور ذلیل مخلوق کو اُس ذوالجلال وقدوس کی جگہ پر بٹھایا تھا۔ اور یہ ایک سچا فیصلہ ہے کہ اگر یہ انسان اور حیوان اور درخت اور ستارے درحقیقت خدا ہی تھے جن میں سے ایک یسوع بھی تھا تو پھر اس رسول کی کچھ ضرورت نہ تھی لیکن اگر یہ چیزیں خدا نہیں تھیں تو وہ دعویٰ ایک عظیم الشان روشنی اپنے ساتھ رکھتا ہے جو حضرت سیدنا محمد ﷺ نے مکّہ کے پہاڑ پر کیا تھا۔ وہ کیا دعویٰ تھا؟ وہ یہی تھا کہ آپ نے فرمایا کہ خدا نے دنیا کو شرک کی سخت تاریکی میں پا کر اس تاریکی کو مٹانے کے لئے مجھے بھیج دیا۔ یہ صرف دعویٰ نہ تھا بلکہ اُس رسول مقبول نے اس دعویٰ کو پورا کر کے دکھلا دیا۔ اگر کسی نبی کی فضیلت اُس کے ان کاموں سے ثابت ہوسکتی ہے جن سے بنی نوع کی سچی ہمدردی سب نبیوں سے بڑھ کر ظاہر ہو تو اے سب لوگو! اُٹھو اور گواہی دو کہ اِس صفت میں محمد ﷺ کی دنیا میں کوئی نظیر نہیں......... اندھے مخلوق پرستوں نے اس بزرگ رسول کو شناخت نہیں کیا جس نے ہزاروں نمونے سچی ہمدردی کے دکھلائے۔ لیکن اب مَیں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت پہنچ گیا ہے کہ یہ پاک رسولؐ شناخت کیا جائے۔ چاہو تو میری بات لکھ رکھو کہ اب کے بعد وہ مُردہ پرستی روز بروز کم ہوگی یہاں تک کہ نابود ہو جائے گی۔ کیا انسان خدا کا مقابلہ کرے گا؟ کیا ناچیز قطرہ خدا کے ارادوں کو رڈ کر دے گا؟ کیا فانی آدم زاد کے منصوبے الٰہی حکموں کو ذلیل کر دیں گے؟ اے سننے والو سنو! اور اے سوچنے والو! سوچو اور یاد رکھو کہ حق ظاہر ہوگا۔ اور وہ جو سچا نُور ہے چمکے گا۔''

(تبلیغ رسالت۔ جلد ششم۔ صفحہ 9)

بقیہ درس الحدیث　(7) وہ شخص جو کہ عالم تنہائی میں خدا تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کے احسانات وانعامات کو یاد کرے۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں آنسو بہا دیں۔ خدا کے سایہ میں ہوگا۔ ایک شخص ایک دردانگیز وعظ سنتا ہے۔ اور وہ مجلس میں ہی اس وعظ سے متاثر ہو کر رونے لگتا ہے۔ یہ بھی ایک بڑی خوبی ہے۔ لیکن بڑی خوبی یہ ہے کہ انسان تنہائی میں بیٹھ کر خدا کو یاد کرے اور غور کرے کہ مجھ پر خدا تعالیٰ کا کس قدر احسان عظیم ہے کہ اس نے مجھے مستقیم القامت انسان بنایا۔ میرے جیسے ہی آدم کے کئی ایسے بیٹے ہیں جو کہ کبڑے ہیں پھر وہ غور کرے کہ خدا نے مجھے پیر صحیح سلامت دیئے۔ ہزاروں ایسے ہیں جن کے پیر ہی نہیں ایک دفعہ سعدی شیرازی خدا تعالیٰ کے حضور شکوہ کر رہے تھے کہ میرے پاس جوتی نہیں۔ اسی وقت ان کے سامنے ایک لُولا آدمی گزرا۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں تو ننگے پیروں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے حضور شاکی ہوں۔ اس کے تو پیر بھی نہیں۔ تو وہ کہتے ہیں کہ میں اسی وقت شکوہ سے باز آیا۔ کئی لوگ ہر وقت یہی سوچتے رہتے ہیں کہ ہم کس قدر غریب ہیں کہ گزارہ بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ دنیا کے حالات پر نظر ڈالیں۔ تو انہیں معلوم ہوگا کہ ان سے بھی غریب تر لوگ دنیا میں آباد ہیں۔ ایک اصول دوستوں کو یاد رکھنا چاہئے۔ کہ دین اور خوبی کا جب معاملہ ہو تو اپنے سے اعلیٰ آدمی کے نقش قدم پر چلو اور جب دنیا کا معاملہ ہو تو ہمیشہ اپنے سے کم درجہ کو دیکھو۔ اور پھر خدا تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا ملاحظہ کرو۔ کیا اس انسان کے لئے جو ہر وقت اپنی غربت کا رونا روتا رہتا ہے۔ باعث شکر نہیں کہ خدا نے اسے انسانی شکل میں پیدا کیا خدا تعالیٰ چاہتا تو کتے کی شکل میں پیدا کر سکتا تھا۔ پس اگر اس نے قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے سایہ میں جگہ پانی ہے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تنہائی میں خدا تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرے اور اپنے سے کم حیثیت اور کم درجہ کے لوگوں کے حالات کو دیکھے کہ وہ بھی تو مخلوق خدا ہیں۔ اور ان کی حالت مجھ سے کم درجہ پر ہے۔ اور وہ بھی دنیا میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ **اللّٰھم صلّ علی محمد وبارک وسلم انک حمید مجید۔**

فرمودات سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

''ایک روایت ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے۔ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کے حوالے سے یہ حدیث بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ''اے آدم کے بیٹے تو اپنا خزانہ میرے پاس جمع کر کے مطمئن ہو جا، نہ آگ لگنے کا خطرہ، نہ پانی میں ڈوبنے کا اندیشہ اور نہ کسی چور کی چوری کا ڈر۔ میرے پاس رکھا گیا خزانہ مَیں پورا تجھے دوں گا اس دن جبکہ تو اس کا سب سے زیادہ محتاج ہوگا''۔ (طبرانی)

دیکھیں کتنا سستا سودا ہے۔ آج اس طرح خزانے جمع کروانے کا کسی کو ادراک ہے، شعور ہے تو صرف احمدی کو ہے۔ وہ جو اللہ تعالیٰ کی اس تعلیم کو سمجھتا ہے کہ ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ﴾ (البقرہ: ۲۷۲) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اللہ میاں کے دینے کے بھی کیا طریقے ہیں کہ جو اچھا مال بھی تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا لوٹائے گا۔ بلکہ دوسری جگہ فرمایا کہ کئی گنا بڑھا کر لوٹایا جائے گا۔ تم سمجھتے ہو کہ پتہ نہیں اس کا بدلہ ملے بھی کہ نہ ملے۔ فرمایا اس کا بدلہ تمہیں ضرور ملے گا بلکہ اس وقت ملے گا جب تمہیں اس کی ضرورت سب سے زیادہ ہوگی، تم اس کے سب سے زیادہ محتاج ہو گے۔ اس لئے یہ وہم دل سے نکال دو کہ تم پر کوئی ظلم ہوگا۔ ہرگز ہرگز تم پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ لوگ دنیا میں رقم رکھنے سے ڈرتے ہیں۔ بینک میں بھی رکھتے ہیں تو اس سوچ میں پڑے رہتے ہیں کہ بینکوں کی پالیسی بدل نہ جائے۔ منافع بھی میرا کم نہ ہو جائے۔ اور بڑی بڑی رقوم ہیں۔ کہیں یہ تحقیق شروع نہ ہو جائے کہ رقم آئی کہاں سے۔ اور فکر اور خوف اس لئے دامن گیر رہتا ہے، اس لئے ہر وقت فکر رہتی ہے کہ یہ جو رقم ہوتی ہے دنیاداروں کی صاف ستھری رقم نہیں ہوتی، پاک رقم نہیں ہوتی بلکہ اکثر اس میں یہی ہوتا ہے کہ غلط طریقے سے کمایا ہوا مال ہے۔ گھروں میں رکھتے ہیں تو فکر کہ کوئی چور چوری نہ کرلے، ڈاکہ نہ پڑ جائے۔ پھر بعض لوگ سود پر قرض دینے والے ہیں۔ کئی سو روپے سود پر قرض دے رہے ہوتے ہیں۔ لیکن چین پھر بھی نہیں ہوتا۔ سندھ میں ایک ایسے ہی شخص کے بارہ میں مجھے کسی نے بتایا کہ غریب اور بھوکے لوگوں کو جو قحط سالی ہوتی ہے۔ لوگ بیچارے آتے ہیں اپنے ساتھ زیور وغیرہ، سونا وغیرہ لاتے ہیں، ایسے سود خوروں سے رقم لے لیتے ہیں، اپنے کھانے پینے کا انتظام کرنے کے لئے اور اس پہ سود پھر اس حد تک زیادہ ہوتا ہے کہ وہ قرض واپس ہی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ سود اتارنا ہی مشکل ہوتا ہے، سود در سود چڑھ رہا ہوتا ہے۔ تو اس طرح وہ سونا جو ہے یا زیور جو ہے وہ اس قرض دینے والے کی ملکیت بنتا چلا جاتا ہے۔ تو ایک ایسا ہی سود خور تھا اور فکر یہ تھی کہ مَیں نے بینک میں بھی نہیں رکھنا۔ تو اپنے گھر میں ہی، اپنے کمرے میں ایک گڑھا کھود کے وہیں اپنا سیف رکھ کے، تجوری میں سارا کچھ رکھا کرتا تھا۔ اور چالیس پچاس کلو تک اس کے پاس سونا اکٹھا ہو گیا تھا۔ اور اس کے اوپر اپنا پلنگ بچھا کر سویا کرتا تھا، خطرے کے پیش نظر کہ کوئی لے ہی نہ جائے۔ اور سونا کیا تھا کیونکہ سونے کے اوپر تو چارپائی پڑی ہوئی تھی۔ ساری رات جاگتا ہی رہتا تھا۔ اسی فکر میں ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ فوت ہو گیا۔ تو وہ مال تو اس کے کسی کام نہ آیا۔ اب اگلے جہان میں اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کیا کرنا ہے وہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کی ضمانت خدا تعالیٰ بہر حال نہیں دے رہا جب کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کی ضمانت ہے کہ تمہیں کیا پتہ تم سے کیا کیا اعمال سرزد ہونے ہیں، کیا کیا غلطیاں اور کوتاہیاں ہو جانی ہیں۔ لیکن اگر تم نیک نیتی سے اس کی راہ میں خرچ کرو گے تو یہ ضمانت ہے کہ اعمال کے پلڑے میں جو بھی کمی رہ جائے گی تو چونکہ تم نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوگا تو کبھی نہیں ہو سکتا کہ تم پر ظلم ہو، اس وقت کمیوں کو اسی طرح پورا کیا جائے گا اور کبھی ظلم نہیں ہوگا۔

اس بارہ میں ایک اور روایت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن حساب کتاب ختم ہونے تک انفاق فی سبیل اللہ کرنے والا اللہ کی راہ میں خرچ کئے ہوئے اپنے مال کے سایہ میں رہے گا''۔ (مسند احمد بن حنبل)

لیکن شرط یہ ہے کہ یہ خرچ کیا ہوا مال پاک مال ہو، پاک کمائی میں سے ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اتنے اجر اگر لینے ہیں اور اپنے مال کے سائے میں رہنا ہے تو گند سے تو اللہ تعالیٰ ایسے اعلیٰ اجر نہیں دیا کرتا۔ اور جن کا مال گندہ ہوا ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والے نہیں ہوتے اور اگر کہیں خرچ کر بھی دیں۔ اگر لاکھ روپیہ جیب میں ہے اور ایک روپیہ نکال کر دے بھی دیں گے تو پھر سو آدمیوں کو بتائیں گے کہ مَیں نے یہ نیکی کی ہے۔ لیکن نیک لوگ، دین کا درد رکھنے والے لوگ، جن کی کمائی پاک ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ بھی ان کی بڑی قدر کرتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ: حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے ایک کھجور بھی پاک کمائی میں سے اللہ کی راہ میں دی۔ اور اللہ تعالیٰ پاک چیز کو ہی قبول فرماتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کھجور کو دائیں ہاتھ سے قبول فرمائے گا اور اسے بڑھاتا چلا جائے گا یہاں تک کہ وہ پہاڑ جتنی ہو جائے گی۔ جس طرح تم میں سے کوئی اپنے چھوٹے سے بچھڑے کی پرورش کرتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک بڑا جانور بن جاتا ہے۔ (بخاری کتاب الزکوۃ)

آج جماعت میں ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے تکلیفیں اٹھا کر اپنی پاک کمائی میں سے جو قربانیاں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کی نسلوں کے اموال و نفوس بے انتہاء برکت ڈالی۔''

(خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ ۹/جنوری ۲۰۰۴ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق قرآن

(ڈاکٹر افتخار احمد ایاز۔ او بی ای)

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ اتَّخَذُوْا هٰذَاالْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

(الفرقان: ۳۱)

سورۃ الفرقان کی اس آیت میں آخری زمانہ کے بارہ میں یہ پیش گوئی تھی کہ "اور رسول کہے گا اے میرے رب یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو متروک کر چھوڑا ہے"۔

اس پیشگوئی کا پس منظر یہ ہے کہ سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے آخری زمانہ میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے جس مسیح موعودؑ اور مہدی مسعود کے آنے کی بشارت دی تھی اس کے ظہور کی اہم ترین غرض قرآن کریم کی تبلیغ و اشاعت اور اس کے فضائل و کمالات کا اظہار تھا۔ چنانچہ جب سورۃ الجمعہ کی آیت وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ اتری تو صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن کو آپ دوبارہ آیات پڑھ کر سنائیں گے، انہیں پاک کریں گے اور کتاب و حکمت سکھائیں گے۔ تو آپ نے فرمایا کہ جب ایمان ثریا پر چلا جائے گا تو ایک مرد فارس اسے واپس لائے گا۔ بعض روایات میں علم یا قرآن کے اٹھ جانے کا ذکر ہے اور سورۃ الفرقان کی اس آیت میں قرآن کے متروک ہونے کا ذکر ہے، جس کی عظمت و محبت کو مسیح موعودؑ نے دوبارہ دلوں میں بٹھانا تھا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے قبل کا زمانہ بعینہٖ مسلمانوں کی اس حالت کی عملی تصویر تھا جس میں انہوں نے قرآن مجید کو عملاً ترک کر دیا تھا۔ اور فرمانِ رسول لَا يَبْقٰى مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا اسْمُهٗ کے مطابق قرآن کے محض حرف باقی رہ گئے تھے۔ قرآن کے متعلق مسلمان عملاً یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ طاقچوں میں سجانے اور قسمیں اُٹھانے یا محض پڑھنے کے لئے ایک مقدس کتاب ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ عام مسلمانوں کا یہ خیال تھا کہ کوئی قرآن کے مضمون پر حاوی نہیں ہوسکتا۔ جس کے نتیجہ میں قرآن پر غور و تدبر ختم ہو کر رہ گیا۔ اور قرآن محض تبرک کے طور پر گھر میں رکھنے کے لئے جہیز کا تحفہ بن کر رہ گیا۔ قرآن کی سمجھ کر تلاوت کرنے کی بجائے اس کی تفسیر اور ترجمہ تک کو گناہ سمجھ لیا گیا۔ جس کی وجہ سے مذہب کی تمام اجارہ داری بے عمل علماء کے ہاتھ میں آگئی۔

الغرض کیا بلحاظ معانی اور کیا بلحاظ عمل، قرآن شریف واقعی متروک ہو رہا تھا۔ عین ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے وہ سچا عاشق قرآن مسیح و مہدی مرزا غلام احمد قادیانی کو مبعوث فرمایا جس نے گہری محبت سے اس پاک کلام کا مطالعہ کر کے اس سے وہ لعل و گہر نکالے جن کی زمانے کو ضرورت تھی۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام زمانہ ماموریت سے قبل ہی عشق قرآن میں مخمور تھے۔ چنانچہ جن دنوں آپ سیالکوٹ میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے عینی شاہدین کا بیان ہے کہ آپ ملازمت کے اوقات کے بعد گھر میں قرآن مجید کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ اور یہی آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ چنانچہ اس تعلق میں اس دور کی مایہ ناز ہستیوں نے اس بارہ میں گواہیاں دی ہیں جن میں ڈاکٹر اقبال کے والد محترم اسی طرح شمس العلماء مولانا سید میر حسن صاحب مرحوم اور مولانا ظفر علی خاں صاحب کے والد ماجد منشی سراج الدین صاحب کی گواہیاں قابل ذکر ہیں۔ ان چشم دید بیانات کے ساتھ ساتھ آپ کے گھر کے لوگ بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ حضورؑ کی زندگی قرآن مجید کے عشق سے معمور تھی۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ مطالعہ کیلئے آپ سب سے زیادہ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے۔ آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا، اسی کو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے۔ وہ کہتے ہیں کہ "میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ شاید دس ہزار مرتبہ پڑھا ہوگا"۔

(تذکرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ 30)

اِس قدر تلاوت قرآنِ مجید اور جوش ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی اس مجید کتاب سے کس قدر محبت اور تعلق تھا۔ اور آپ کو کلام الٰہی سے کیسی مناسبت اور دلچسپی تھی۔ اسی تلاوت اور پُرغور مطالعہ نے آپ کے اندر قرآن مجید کی صداقت اور عظمت کے اظہار کے لئے ایک جوش پیدا کر دیا تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو علومِ قرآن کا ایک بحر ناپیدا کنار بنا دیا تھا۔ الغرض آپ کو قرآنِ مجید کے ساتھ غایت درجہ کی محبت تھی اور اس کی عظمت اور صداقت کے اظہار کے لئے ایک رو بجلی کی طرح آپ کے اندر دوڑ رہی تھی۔

آپؑ کی عادت تھی کہ جب وہ اپنے کمرے یا حجرے میں بیٹھتے تو دروازہ بند کر لیا کرتے تھے۔ یہی طرزِ عمل آپ کا سیالکوٹ میں تھا۔ جب کچہری سے فارغ ہو کر آتے تو دروازہ بند کر کے اپنے شغل اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے۔ بعض لوگوں کو یہ ٹوہ لگی کہ دروازہ بند کر کے کیا کرتے رہتے ہیں۔ ایک دن ان ٹوہ لگانے والوں کو حضرت مسیح موعودؑ کی اِس مخفی کارروائی کا سراغ مل گیا۔ اور وہ یہ تھا کہ آپ مصلّٰی پر بیٹھے ہوئے قرآن کریم ہاتھ میں لیے دُعا کر رہے ہیں کہ

"یا اللہ تیرا کلام ہے مجھے تو تُو ہی سمجھائیگا تو میں سمجھ سکتا ہوں"۔

(حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ ۱۹۱۵ء)

آپؑ کے صاحبزادے حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی روایت ہے کہ

"حضرت مسیح موعودؑ کا اکثر وقت کتب کے مطالعہ میں گزرتا تھا اور سب سے زیادہ انہماک آپ کو قرآنِ شریف کے مطالعہ میں تھا۔ حتیٰ کہ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے جب بھی دیکھا قرآن پڑھتے دیکھا۔ آپ کا مطالعہ سرسری اور سطحی رنگ کا نہ ہوتا تھا بلکہ اپنے اندر ایسا انہماک رکھتا تھا کہ گویا آپ معانی کی گہرائیوں میں دھنسے چلے جاتے ہیں"۔

(سلسلہ احمدیہ از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے صفحہ ۱۲)

تاریخ میں آتا ہے کہ پٹیالہ کے غیر احمدی تحصیلدار منشی عبدالواحد صاحب جو کثرت سے حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے پاس قادیان آیا کرتے تھے اور جنہیں بچپن سے ہی حضور کو بار بار دیکھنے کا موقعہ ملا وہ شہادت دیتے ہیں کہ حضور چودہ پندرہ سال کی عمر میں ہی سارا دن قرآن شریف پڑھتے تھے اور حاشیہ پر نوٹ

لکھتے رہتے تھے۔ اور آپ کے والد مرزا غلام مرتضٰی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کسی سے غرض نہیں رکھتا۔ سارا دن مسجد میں رہتا ہے اور قرآن شریف پڑھتا رہتا ہے۔''

(ریویو آف ریلیجنز اردو قادیان جنوری 1942ء۔ ص4)

قرآن کا کمال اور عظمت بیان کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:

''فرقان مجید نے اپنی فصاحت و بلاغت کو صداقت اور حکمت اور ضرورت حقہ کے التزام سے ادا کیا ہے اور کمال اعجاز سے تمام دینی صداقتوں پر احاطہ کر کے دکھلایا ہے...... اور ہر اعتراض کا جواب دیا ہے۔ کوئی صداقت نہیں جس کو بیان نہیں کیا۔ کوئی فرقہ ضالہ نہیں جس کا ردّ نہیں لکھا اور پھر کمال یہ کہ کوئی کلمہ نہیں کہ بلا ضرورت لکھا ہو، کوئی بات نہیں کہ بے موقع بیان کی ہو۔ فصاحت کا وہ مرتبہ کا حل دکھلایا جس سے زیادہ متصور نہیں۔ بلاغت کو اس کمال ملک پہنچایا کہ کمال حسن ترتیب اور موجز اور مدلل بیان سے علم اوّلین و آخرین تک اس چھوٹی سی کتاب میں بھر دیا۔''

(براھین احمدیہ حصہ چھارم)

الغرض حضرت مسیح موعودؑ نے منکرین اسلام کے حملوں کے جواب اور دفاع کے لئے قرآن مجید کو ہی ہاتھ میں لیا۔ قرآن مجید کی جس آیت یا مقام پر مخالفین نے اعتراض کیا اس مقام سے آپ نے ایسا خوبصورت لطیف دندان شکن مسکت جواب دیا کہ معترض کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہیں رہا۔ یہ دفاع آپ کے انتہائی پیار اور عشق کو ظاہر کرتا ہے۔ آپ نے قرآن کی محبت میں قرآن کریم کی قوتِ اعجاز کا اظہار ایسے طرز پر فرمایا کہ دنیائے مذاہب میں ایک تہلکہ مچ گیا۔

پادری عمادالدین نے ''زین الاقوال'' نام کتاب لکھ کر قرآن مجید پر حملے کئے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے جواب میں نور الحق کتاب لکھی۔ اس میں قرآن کے معارف وحقائق کا انکشاف فرمایا۔ اس قسم کی ایک دو نہیں متعدد مثالیں آپ کی تصانیف میں ملتی ہیں۔ آپ نے مختلف مذاہب باطلہ کی تردید قرآن مجید سے ہی کر کے دکھلائی۔ آپ نے ہر اہل مذہب کو دعوت دی کہ اپنے مذہب کا دعویٰ اور دلیل اپنی الہامی کتاب سے ثابت کریں اور خود قرآن کی حقانیت اپنی کتاب براہین احمدیہ میں ثابت کر دکھائی۔ جس پر غیر بھی کہہ اُٹھے کہ مصنف براہین احمدیہ اسلام کی مالی وقالی حالی ولسانی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے کہ چودہ سو سال میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ فی الواقعہ حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کی عزت وعظمت کے قیام کے لئے جو کچھی لڑائی لڑی اور جہاد کبیر کا حق ادا کر دکھایا۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کا فرض ہونا چاہیے کہ اگر کوئی حدیث معارض اور مخالف قرآن اور سنت نہ ہو تو خواہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کی حدیث ہو اس پر وہ عمل کریں اور انسان کی بنائی ہوئی فقہ پر اس کو ترجیح دیں اور اگر حدیث میں کوئی مسئلہ نہ ملے اور نہ سنت میں اور نہ قرآن میں مل سکے تو اس صورت میں فقہ حنفی پر عمل کریں۔''

(مباحثہ الحق لدھیانہ 1891ء، ریویو مباحثہ چکڑالوی صفحہ506)

فرمایا کہ ''قرآن کریم ہر یک وجہ سے احادیث پر مقدم ہے اور احادیث کی صحت وعدم صحت پرکھنے کے لئے وہ محک ہے اور مجھ کو خدا تعالیٰ نے قرآن کریم کی اشاعت کے لئے مامور کیا ہے۔'' (الحق الدھیانہ صفحہ28)

پھر حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے قبل اکثر مسلمان فرقے یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ قرآن مجید میں منسوخ آیات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ علامہ محمد بن حزمؒ نے مسلمانوں کا عقیدہ اس بارہ میں یوں بیان کیا ہے:۔

قرآن کریم میں منسوخ آیات کا مطلب یہ ہے کہ ایک آیت قرآن میں لکھی جا چکی ہے مگر وہ قابل عمل نہیں ہے صرف اس کی تلاوت ہی کرنی چاہیے۔ اس پر عمل کرنے کا حکم نہیں کیونکہ منسوخ ہونے کی وجہ سے اس کا حکم باطل ہو گیا۔

(ناسخ ومنسوخ صفحہ146)

اس عقیدہ کے متعلق بعض مسلمانوں نے اس قدر غلو سے کام لیا کہ جو شخص قرآن میں نسخ کا قائل نہ ہو وہ ملحد اور بے دین ہے۔ چنانچہ ابن خزیمہ لکھتے ہیں: ''ملحد لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں ناسخ ومنسوخ نہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو یہود کے مشابہ ہوئے''۔

(الموجز صفحہ261)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے پانچ آیات، علامہ سیوطی نے بیس اور بعض علماء نے ناسخ ومنسوخ آیات کی تعداد پانچ صد تک بتائی ہے۔ جس سے باقی قرآن کا اعتبار بھی نہ رہا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے عشق قرآن نے یہ بات برداشت نہ کی اور اس کی محبت میں بڑی تحدّی سے فرمایا کہ قرآن کریم کا ایک شعشہ بھی منسوخ نہیں ہوا۔ اللہ کے فضل سے اس دور میں آپ وہ عاشق صادق تھے جنہوں نے قرآن کی حفاظت کے لئے کمر بستہ ہو کر جہاد کیا اور اعلان کیا کہ آج وہ لوگ جو قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت دیئے جائیں گے۔ آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے سابقہ شریعتوں کو منسوخ کر دیا مگر قرآن مجید کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ زمین وآسمان ٹل سکتے ہیں مگر اس شریعت کا کوئی حکم اور کوئی آیت نہیں ٹل سکتی۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''ہم پختہ یقین کے ساتھ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ قرآن شریعت ختم کتب ساوی ہے اور ایک شعشہ یا نقطہ اس کی شرائع اور حدود اور احکام اور امر سے زیادہ نہیں ہوسکتا اور نہ کم ہوسکتا ہے اور اب کوئی ایسی وحی یا ایسا الہام منجانب اللہ نہیں ہوسکتا جو احکام فرقانی کی ترمیم یا تنسیخ یا کسی ایک حکم کے تبدیلی یا تفسیر کرسکتا ہو۔ اگر کوئی ایسا خیال کرتے تو وہ ہمارے نزدیک جماعت مومنین سے خارج اور ملحد اور کافر ہے۔''

(ازالہ اوھام جلد اوّل صفحہ ۵۹)

نیز فرماتے ہیں: ''قرآن کریم وہ یقینی اور قطعی کلام الٰہی ہے جس میں انسان کا ایک نقطہ یا ایک شعشہ تک دخل نہیں اور وہ اپنے الفاظ اور معنی کے ساتھ خدا تعالیٰ کا ہی کلام ہے اور کسی فرقہ اسلام کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں۔ اس کی ایک ایک آیت اعلیٰ درجہ کا تواتر اپنے ساتھ رکھتی ہے۔ وہ وحی متلوّ ہے جس کے حرف گنے ہوئے ہیں وہ بباعث اپنے اعجاز کے بھی تبدیل اور تحریف سے محفوظ ہے۔''

(ازالہ اوھام جلد۲ ص ۲۱۹)

''علماء نے ساخت کی راہ سے بعض احادیث کو بھی آیات قرآن کا ناسخ قرار دیا ہے...... لیکن حق یہی ہے کہ حقیقی نسخ اور حقیقی زیادت قرآن پر جائز نہیں کیونکہ اس سے اس کی تکذیب لازم آتی ہے۔'' (الحق لدھیانہ ص ۹۱)

آپؑ فرماتے ہیں: ''جو شخص قرآن شریف کا پیرو ہو کے محبت اور صدق کو انتہاء تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ ظلّی طور پر خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جاتا ہے۔ یہ سب نتیجہ اس زبردست طاقت اور خاصیت کا ہوتا ہے جو خدا کے کلام قرآن شریف میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ وہ زبردست طاقت اور خاصیت کسی اور کتاب میں نہیں جو کسی قوم کے نزدیک کتاب الہامی سمجھی جاتی ہو۔''

(ضمیمہ چشمہ معرفت۔ ص59)

منظوم کلام میں عشق قرآن کا بے مثال نمونہ

حضرت مسیح موعودؑ کی تمام کتب میں عشق قرآن کی جھلک کسی نہ کسی رنگ میں ضرور پائی جاتی ہے۔ آپ کے فارسی، اردو، عربی کے منظوم کلام میں بھی بے پناہ عشق ومحبت کا اظہار ہوتا ہے جس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی۔ آپ فرماتے ہیں:

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اجلا نکلا
پاک وہ جس سے یہ انوار کا دریا نکلا
یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا نکلا
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
قرآں خدا نما ہے خدا کا کلام ہے
بن اس کے معرفت کا چمن نا تمام ہے
كِتَابٌ كَرِيمٌ حَازَ كُلَّ فَضِيْلَة
وَ يَسْقِي كُؤُوسَ مَعَارِفٍ و يؤَفَّرُ

ترجمہ: وہ بزرگ کتاب ہے جو تمام فضیلتوں کی جامع ہے۔ وہ معارف کا جام پلاتی ہے اور بس نہیں کرتی۔

وَ فيهه رَاَيْنَا بَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدىٰ
وَ فِيهِ وَ جَلْنَا مَا يَقِي وَيبصرُ

ترجمہ: اس میں ہم نے ہدایت کے کھلے کھلے نشان دیکھے اور ہم نے اس میں وہ باتیں پائی ہیں جو ہلاکت سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اور بصیرت بخشتی ہیں

جانم کباب شد زغم ایں کتاب پاک
چنداں بسو ختم کہ خود امید جاں نماند

ترجمہ: اس کتاب کے غم میں میری جان کباب ہوگئی اور میں اس قدر جل گیا ہوں کہ بچنے کی کوئی امید نہیں۔

خدا نے مجھے قرآن شریف کی خدمت کیلئے مبعوث کیا ہے

حضرت مسیح موعودؑ کو اس قدر قرآن کریم سے عشق تھا کہ آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید روحانی عالم ہے۔ جس سے تا قیامت ہر زمانہ کی ضرورت کے خزانے نکلتے رہیں گے۔ اس اصل کے ماتحت آپ نے یہ دعویٰ کیا کہ چونکہ خدا نے مجھے قرآن کریم کی خدمت کیلئے مبعوث کیا ہے اس لئے مجھے قرآن کریم کی وہ سمجھ عطا کی گئی ہے جو موجودہ زمانے میں کسی اور کو عطا نہیں کی گئی۔ اور مجھے یہ طاقت دی گئی ہے کہ میں اس زمانہ کی ضرورت کے مطابق قرآن شریف سے ایسے نئے نئے علمی اور روحانی خزانے نکال کر دنیا کے سامنے پیش کروں جو پہلے کبھی نہیں پیش کئے گئے۔ اور آپؑ نے تحدی کے ساتھ لکھا کہ اس زمانہ میں دنیا کا کوئی شخص اس بات میں میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ نے بار بار چیلنج کر کے لوگوں کو بلایا کہ کسی میں ہمت ہے تو میرے سامنے تفسیر نویسی میں میرا مقابلہ کرلے۔

سورۃ فاتحہ کی دلنشین تفسیر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو قرآن مجید سے بے انتہا لگاؤ تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

اے دوستو جو پڑھتے ہو امّ الکتاب کو
اب دیکھو میری آنکھوں سے اس آفتاب کو
سوچو دعائے فاتحہ کو پڑھ کے بار بار
کرتی ہے یہ تمام حقیقت کو آشکار

حضرت مسیح موعودؑ اپنی جماعت کو بطور نصیحت فرماتے ہیں:

''تم قرآن کو تدبر سے پڑھو اور اس سے بہت ہی پیار کرو۔ ایسا پیار کہ تم نے کسی سے نہ کیا ہو۔ کیونکہ جیسا کہ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا اَلْخَيْرُ كُلُّهٗ فِي الْقُرْآن کہ تمام قسم کی بھلائیاں قرآن میں ہیں۔ یہ بات سچ ہے۔ افسوس ان لوگوں پر جو کسی اور چیز کو اس پر مقدم رکھتے ہیں۔ تمہاری تمام فلاح اور نجات کا سرچشمہ قرآن میں ہے، کوئی بھی تمہاری ایسی دینی ضرورت نہیں جو قرآن میں نہیں پائی جاتی۔ تمہارے ایمان کا مصدق یا مکذب قیامت کے دن قرآن ہے...... اس نعمت کی قدر کرو جو تمہیں دی گئی۔ یہ نہایت پیاری نعمت ہے، یہ بڑی دولت ہے۔ اگر قرآن نہ آتا تو تمام دنیا ایک گندے مُضغہ کی طرح تھی۔ قرآن وہ کتاب ہے جس کے مقابل پر تمام ہدایتیں ہیچ ہیں۔''

(کشتی نوح صفحہ ۳۶۔۳۷)

قرآن کو عزت دینے والے آسمان پر عزت پائیں گے

قرآن مجید کے عشق و محبت میں سرشار سیدنا حضرت مسیح موعودؑ اپنی جماعت کو خاص طور سے مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

''اور تمہارے لئے ایک ضروری تعلیم یہ ہے کہ قرآن شریف کو مہجور کی طرح نہ چھوڑ دو۔ کہ تمہاری اسی میں زندگی ہے جو لوگ قرآن کو عزت دیں گے وہ آسمان پر عزت پائیں گے۔ جو لوگ ہر ایک حدیث اور ہر ایک قول کو قرآن پر مقدم رکھیں گے ان کو آسمان پر مقدم رکھا جائے گا۔ نوع انسان کیلئے اب روئے زمین پر کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کیلئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں مگر محمد مصطفیٰ ﷺ سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ جلال کے نبی کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔''

(کشتی نوح)

دراصل حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض ہی خدمت قرآن تھی۔ اسی بات کا ذکر خود حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا کہ میں ان خزائن مدفونہ کو دنیا پر ظاہر کروں اور ناپاک اعتراضات کا کیچڑ جو ان درخشاں جواہرات پر تھوپا گیا ہے اس سے ان کو پاک صاف کروں۔ خدا تعالیٰ کی غیرت اس وقت بڑی جوش میں ہے کہ قرآن شریف کی عزت کو ہر ایک خبیث دشمن کے داغ اعتراض سے منزہ و مقدس کرے۔''

(ملفوظات جلد اول ص38)

اور پھر ایام ماموریت کے بعد تو قرآن مجید ہی آپ کی زندگی کا دستور العمل

بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپکو الہاماً فرمایا کہ "اَلْخَیْرُ کُلُّہٗ فِی الْقُرْآن" کہ ہر قسم کی خیر و برکت قرآن مجید میں ہی ہے۔ اور یہ خیر و برکت اپنی تمام زندگی میں آپ نے اس دور میں حاصل کی، قرآن مجید کے معارف اور نکات کے سمندر میں آپ نے غوطے لگا کر وہ جواہرات اور موتی نکالے ہیں کہ ایک دنیا انگشت بدندہ ہے۔ آپ کی تصنیف لطیف "براہین احمدیہ" اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ اس تصنیف کے بعد جہاں غیر ایک طرف قرآن مجید کی عظمت کے قائل ہوئے وہاں مسلمان بھی مایوسی اور قنوطیت کے دور سے باہر آئے۔

آپ قرآن مجید کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

"خدا تعالیٰ کی قسم میں نے اس کے ظاہر اور باطن اوپر نیچے اس کے ہر لفظ کو نور ہی نور پایا۔ گویا روحانی باغ ہے جو پھولوں کے خوشوں سے لدا ہوا ہے اور اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور اس پر سعادت کے پھل موجود ہیں ان انعامات کو کسی اور طریقہ سے پا ہی نہیں سکتا تھا۔ خدا تعالیٰ کی قسم اگر قرآن مجید کی یہ محبت مجھے عطا نہ ہوتی تو میری زندگی بے لطف ہوتی۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اس نعمت کا وافر حصہ عطا فرمایا اور مجھے مجذومین کے زمرہ میں داخل فرمایا۔ میں جوان ہوا تو میں نے جس دروازے کے کھلنے کیلئے دعا کی خدا تعالیٰ نے وہ کھول دیا اور جو نعمت طلب کی اس نے مجھے عطا فرمائی اور جس دعا کیلئے ابتہال اختیار کیا خدا تعالیٰ نے وہ دعا قبول فرمائی۔ یہ سب افضال مجھے محبت قرآن اور محبت آنحضرت ﷺ کے طفیل حاصل ہوئے۔ اے خدا اس نبی صلعم پر آسمانی ستاروں اور زمین کے ذرّات کی تعداد میں درود و سلام پہنچا۔ یہ دونوں محبتیں جو میری فطرت میں تھیں ان کی بناء پر شروع سے خدا تعالیٰ کی معیت میرے شامل حال رہی۔"

(آئینہ کمالات اسلام (ترجمہ از عربی عبارت) صفحہ 547-545)

قرآن مجید زندہ کتاب ہے

یہ عشق قرآن کی ہی علامت ہے کہ آپؑ نے قرآن کریم کو ایک کامل اور زندہ کتاب کی حیثیت میں دنیا کے سامنے پیش فرمایا اور اپنی تصنیف براہین احمدیہ میں قرآن کریم کی حقانیت، اس کی صداقت اس کے کامل اور ابدی ہونے پر دلائل قاطعہ پیش کرتے ہوئے قرآن کریم کو ایک زندہ کتاب کے طور دنیا میں روشناس کرایا۔ آپ نے سب مذاہب کے لوگوں کو قرآن کے مقابلہ کی دعوت دی اور یہ شرط رکھی کہ جو دعویٰ پیش کریں وہ ان کی مذہبی کتب سے ہو اور اس کے حق میں دلائل بھی اسی کتاب میں سے ہوں۔ اس دعویٰ کے ساتھ آپؑ نے غیر مذاہب کے منہ بند کردئے۔ اور قرآن کریم کو دیگر آسمانی کتب کے مقابلہ پر ایک زندہ کتاب کے طور پر ثابت کر دکھایا۔ آپؑ نے قرآن مجید کی حقانیت وصداقت اس کی تفاسیر اس کے عارفانہ کلام کو دنیا کے سامنے ظاہر کرنے کے لئے اسّی سے زائد کتب تصنیف فرمائیں اور اپنے پیچھے اسلامی لٹریچر کا ایک ایسا خزانہ چھوڑا جو رہتی دنیا تک قرآن کریم کی اشاعت اور قرآن مجید پر کئے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کے لئے کافی رہے گا۔

جہاں تک حفاظت قرآنی کا سوال ہے تو اس تعلق میں موجودہ دَور کے مشہور مستشرق سرولیم میور نے اپنی کتاب "دی لائف آف محمدؐ" میں اس بات کا برملا اقرار کیا ہے کہ جو کلام مجید آج سے چودہ سو سال قبل حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا آج ہمارے ہاتھوں میں بالکل وہی قرآن مجید ہے۔ پس چاہے قدیم دور کے یہودی عیسائی ہوں یا زمانہ جدید کے غیر مسلم سکالرز وہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ قرآن مجید واقعی ایک کامل اور مکمل کتاب ہے اور یہ وہ کتاب ہے جو آج بھی اسی طرح موجود ہے، جس طرح اوّل روز اس کا نزول ہوا تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کو قرآن مجید کے بے نظیر معنوی اور ظاہری محاسن کی وجہ سے بے حد عشق تھا۔ مگر باوجود اس کے قرآنی محبت کی اصل بنیاد بھی خدا ہی کی محبت پر قائم تھی۔ فرماتے ہیں:

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چُوموں
قرآں کے گِرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

("قادیان کے آریہ اور ہم")

یعنی قرآن کی خوبیاں تو ظاہروعیاں ہیں مگر اس کے ساتھ میری محبت کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ اے میرے آسمانی آقا! وہ تیری طرف سے آیا ہے، مقدس صحیفہ ہے جسے بار بار چُومنے اور اس کے ارد گرد طواف کرنے کے لئے میرا دل بے چین رہتا ہے۔

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے بیان کیا کہ جس دن شب کو عشاء کے قریب حسین کامی سفیر روم قادیان آیا اس دن نماز مغرب کے بعد حضرت صاحب مسجد مبارک میں شاہ نشین پر احباب کے ساتھ بیٹھے تھے کہ آپ کو دوران سر کا دورہ شروع ہوا اور آپ شاہ نشین سے نیچے اتر کر فرش پر لیٹ گئے اور بعض لوگ آپ کو دبانے لگ گئے مگر حضور نے تھوڑی دیر میں سب کو ہٹا دیا۔ جب اکثر دوست وہاں سے رخصت ہوگئے تو آپ نے مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم سے فرمایا کہ کچھ قرآن شریف پڑھ کر سنائیں۔ مولوی صاحب مرحوم دیر تک نہایت خوش الحانی سے قرآن شریف سناتے رہے یہاں تک کہ آپ کو افاقہ ہو گیا۔"

(سیرت المهدی روایت نمبر 459)

"حضرت مفتی محمدؐ صادق صاحب بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو صرف ایک دفعہ روتے دیکھا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آپ اپنے خدام کے ساتھ سیر کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور ان دنوں میں حاجی حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پورہ والوں کے داماد قادیان آئے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور یہ قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ حضرت صاحب وہیں راستہ میں ایک طرف بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کچھ قرآن شریف پڑھ کر سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن شریف سنایا تو اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔"

(سیرت المهدی روایت نمبر 433)

آپؑ فرماتے ہیں: "میں بار بار کہتا ہوں اور بلند آواز سے کہتا ہوں کہ قرآن اور رسول کریم ﷺ سے سچی محبت رکھنا اور سچی تابعداری اختیار کرنا انسان کو صاحب کرامات بنا دیتا ہے اور اس کامل انسان پر علوم غیبیہ کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیا میں کسی مذہب والے روحانی برکات میں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ میں اس میں صاحب تجربہ ہوں۔"

(ضمیمہ انجام آتھم صفحہ 61)

یہی وجہ ہے کہ آپ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قرآن مجید کی خدمت کیلئے وقف

تھا۔ آپ فرماتے ہیں: ''مجھے خدا تعالیٰ نے اس چودھویں صدی کے سر پر اپنی طرف سے مامور کر کے دین متین، اسلام کی تجدید اور تائید کیلئے بھیجا ہے تا کہ میں اس پر آشوب زمانہ میں قرآن کی خوبیاں اور محمد رسول اللہ ﷺ کی عظمتیں ظاہر کروں اور ان تمام دشمنوں کو جو اسلام پر حملہ کر رہے ہیں ان نوروں اور برکات اور خوارق اور علوم لدنیہ کی مدد سے جواب دوں جو مجھ کو عطا کئے گئے ہیں۔''

(برکات الدعا صفحہ 36)

عاشق قرآن نے فرقانی حقائق و معارف کے دریا بہا دئے

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم کی برکت سے حضرت مسیح موعودؑ نے فرقانی حقائق و معارف کے دریا بہا دئے۔ کتاب اللہ کو ایک زندہ کتاب کی حیثیت سے پیش فرمایا۔ قرآن مجید کا مقدس، صاف اور نکھرا ہوا حقیقی چہرہ وحی اور نور فراست سے نمایاں فرمایا اور اپنی تصانیف و تقاریر میں اس امر کے زبردست دلائل دئے کہ اس پاک کتاب کا ہر لفظ و شعشہ قیامت تک کیلئے محفوظ اور دست برد سے کلیتہً پاک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ''خدا تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اس بات کا ثبوت دوں کہ زندہ کتاب قرآن ہے اور زندہ دین اسلام ہے اور زندہ رسول محمد ﷺ ہیں۔ اور میں آسمان اور زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ یہ باتیں سچ ہیں اور خدا وہی ایک خدا ہے جو کلمہ لآ الٰہ الا اللہ میں پیش کیا گیا ہے اور زندہ رسول وہی ایک رسول ہے جس کے قدم پر نئے سرے سے دنیا زندہ ہو رہی ہے۔ نشان ظاہر ہو رہے ہیں، برکات ظہور میں آ رہے ہیں، غیب کے چشمے کھل رہے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو اپنے تئیں تاریکی سے نکالے۔''

(الحکم 31مئی 1900ء)

وصال الٰہی بجز قرآن کریم کے ممکن نہیں

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:

''میں سامعین کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا جس کے ملنے میں انسان کی نجات اور دائمی خوشحالی ہے وہ بجز قرآن شریف کی پیروی کے ہرگز نہیں مل سکتا۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی)

نیز فرمایا: ''یقیناً سمجھو کہ جس طرح یہ ممکن نہیں کہ ہم بغیر آنکھوں کے دیکھ سکیں، بغیر کانوں کے سن سکیں یا بغیر زبان کے بول سکیں۔ اس طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ بغیر قرآن کے پیارے محبوب کا منہ دیکھ سکیں۔'' (اسلامی اصول کی فلاسفی)

''یعنی قرآن کی خوبیاں تو ظاہر و عیاں ہیں مگر اس کے ساتھ میری محبت کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ اے میرے آسمانی آقا! وہ تیری طرف سے آیا ہے مقدس صحیفہ ہے جسے بار بار چومنے اور اس کے ارد گرد طواف کرنے کے لئے میرا دل بے چین رہتا ہے۔''

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پالکی میں بیٹھ کر قادیان سے بٹالہ تشریف لے جا رہے تھے (اور یہ سفر پالکی کے ذریعہ قریباً پانچ گھنٹے کا تھا) حضرت مسیح موعودؑ نے قادیان سے نکلتے ہی اپنی حمائل شریف کھول لی اور سورۂ فاتحہ کو پڑھنا شروع کیا اور برابر پانچ گھنٹے تک اِسی سورۃ کو اِس استغراق کے ساتھ پڑھتے رہے کہ گویا وہ ایک وسیع سمندر ہے جس کی گہرائیوں میں آپ اپنے ازلی محبوب کی محبت و رحمت کے موتیوں کی تلاش میں غوطے لگا رہے ہیں۔

(سیرۃ المھدی حصہ دوم)

قرآن سے سچی محبت اور اس کی پیروی کی برکت سے حضرت مسیح موعودؑ کو معارف قرآنی عطا کئے گئے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو جو قرآن سکھایا گیا اور اس سے ایک خاص پیار اور تعلق کی وجہ سے اپنی کتاب ''الہدیٰ'' صفحہ ۳۶ پر بڑے جوش سے فرماتے ہیں: ''اس شخص پر خدا کی لعنت ہو جو قرآن کریم کے اعجاز، اس کی تلوار کے جوہر اور اس کے کلمات اور نظام کے منفرد ہونے سے انکار کرے۔ خدا کی قسم ہم تو اس چشمے سے پیتے ہیں۔ اس کی زینت سے آراستہ ہیں۔ اسی کے سبب سے ہمارے کلام میں نور اور صفا ہے اور ہماری گویائی میں چمک اور روشنی اور تازگی اور خوبصورتی دکھائی دیتی ہے۔ مجھ پر قرآن کریم کے سوا اور کسی کا احسان نہیں۔ اس نے میری ایسی پرورش کی کہ والدین بھی نہیں کر سکتے۔''

چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے قرآن کی محبت کے گہرے جذبہ سے اس کے بارہ میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کر کے اس کی یقینی عزت قائم کی۔

خود مسلمانوں میں قرآن مجید کے متعلق بعض غلط عقائد راہ پا گئے تھے۔ مثلاً ایک گروہ میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ (معاذ اللہ) حدیث قرآن مجید پر قاضی ہے اور قرآن مجید کو اپنی تفسیر کے لئے حدیث کا محتاج سمجھتے تھے۔ آپ کے عشق نے یہ گوارا نہ کیا اور اسے قرآن کی توہین قرار دیا۔ آپؑ نے پوری قوت اور جرأت کے ساتھ اس غلط عقیدہ کا بطلان ثابت کیا۔ اس کے لئے آپ نے دوسروں کی تصانیف کو اپنے استدلال کا ماخذ نہیں بنایا۔ بلکہ قرآن مجید ہی کی آیات سے یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید ہی ایک ایسا معیار ہے اور محکم ہے کہ ہر صداقت اور ہر تعلیم جب تک اس کی رُو سے ثابت نہ ہو صداقت نہیں ٹھہر سکتی۔ آپ نے فرمایا:

باغ مرجھایا ہوا تھا گر گئے تھے سب ثمر
مَیں خدا کا فضل لایا پھر ہوئے پیدا ثمار
وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب مَیں دیتا ہوں اگر کوئی ملے امیدوار

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے نہ صرف قرآن کریم کو سمجھا بلکہ قرآن کریم کو سمجھنے کے گُر لوگوں کو بتا کر عظیم خدمت قرآن کی۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگوں کا خیال تھا کہ ہر شخص قرآن کریم کو نہیں سمجھ سکتا اور نہ ہی اس پر عمل کر سکتا ہے لیکن آپؑ نے اس کی تفہیم کے سارے راز کھول کھول کر لوگوں کے آگے پیش کر دیئے۔

محبت کرنے والے اور عشق میں انتہاء تک پہنچنے والے ہمیشہ اپنے محبوب اور معشوق کو مختلف انداز میں مختلف چیزوں سے تشبیہہ دیتے ہیں اور اس کے حسن اور خوبیوں کا اظہار کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے بھی مختلف انداز میں قرآن کریم کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار فرمایا ہے۔

آپ نے قرآن کریم سے خطاب کرتے ہوئے اپنے فارسی کلام میں فرمایا:

اے کانِ دلربائی دانم کہ از کجائی
تو نور آں خدائی کیں خلق آفریدہ
میلم نماند باکس محبوب من توئی بس
زیرا کہ زاں فغاں رس نورت بما رسیدہ

(براھین احمدیہ حصہ سوم حاشیہ صفحہ274)

یعنی اسے حسن ودلربائی کی کان مَیں جانتا ہوں کہ تو کہاں سے ہے اور کس سے تعلق رکھتی ہے۔ تُو تو اُس خدا کا نور ہے جس نے یہ ساری مخلوقات پیدا کی ہے۔ مجھے تو اب کسی (اور کتاب۔ ناقل) سے تعلق نہیں رہا اب تو ہی میرا محبوب ومعشوق کافی ہے کیونکہ خدائے فریادرس کی طرف سے تیرا نور ہمیں پہنچا ہے۔

حضرت یوسفؑ جو حُسن و جمال میں ضرب المثل ہیں۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک قرآن اپنی خوبی ودلبری اور حسن و جمال میں ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ فرماتے ہیں:

کہتے ہیں حسنِ یوسف دلکش بہت تھا لیکن
خوبی و دلبری میں سب سے سوا یہی ہے
یوسف تو سُن چکے ہو اِک چاہ میں گرا تھا
یہ چاہ سے نکالے جس کی صدا یہی ہے

عاشق اپنے معشوق، محبّ اور اپنے محبوب کو اس کی خوبصورتی اور چمک دمک اور جلال و جمال ظاہر کرنے کے سورج اور چاند سے تشبیہہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا محبوب تو چاند کی طرح خوبصورت یا سورج کی مانند ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے محبوب قرآن مجید کا کمال حسن اس رنگ میں ظاہر فرماتے ہیں:

آں دیدہ کہ نورے نگرفت است زفرقاں
حقا کہ ہمہ عمر زکوری نہ رہیرہ
باخوردہم نسبتِ آں نور کہ بینم
صدخور کہ بہ پیراہن اور حلقہ کشیدہ

یعنی وہ آنکھ جس نے قرآن کریم سے نور اخذ نہیں کیا، خدا کی قسم وہ ساری عمر اندھے پن سے خلاصی نہ پائے گی۔ مَیں سورج سے اِس نور کو تشبیہ نہیں دے سکتا کیونکہ مَیں دیکھتا ہوں کہ اس کے گرد سینکڑوں آفتاب حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔

اسی طرح فرماتے ہیں:

وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اِس کتاب میں
ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں

اورفرماتے ہیں:

جمال و حسنِ قرآن نور جان ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

"میں اپنے دل کو قرآن کریم اور اس کی دقائق، نکات اور اس کے معارف کی طرف مائل پاتا تھا اور قرآن نے مجھے محبت کی وجہ سے اپنا شیفتہ بنالیا۔ اور مَیں نے دیکھا کہ وہ مجھے مختلف اقسام کے معارف اور قسم قسم کے پھل دیتا ہے جو نہ کبھی ختم ہوں گے اور نہ ان سے مجھے کبھی محروم کیا جائے گا۔ اور مَیں نے جان لیا کہ قرآن کریم ایمان کو مضبوط کرتا اور یقین میں زیادتی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی قسم وہ ایک لاثانی موتی ہے۔ اس کا ظاہر بھی نور ہے اور اس کا باطن بھی نور ہے اور اس کے ہر لفظ اور ہر کلمہ میں نور ہے۔ وہ ایک روحانی باغ ہے جس کے گوشے نہایت قریب ہیں اور اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں ...... اس کے فیض کے گھاٹ نہایت خوشگوار ہیں۔ پس پینے والوں کو مبارک ہو...... اور اللہ تعالیٰ کی قسم اگر قرآن کریم نہ ہوتا تو میری زندگی بے لطف ہوتی۔ مَیں نے اس کے حُسن کو ہزاروں یوسفوں سے زیادہ دیکھا ہے۔ پس مَیں اس کی طرف انتہائی طور پر مائل ہوگیا۔ اور وہ میرے دل میں گھر کر گیا ہے۔ اس نے مجھے اس طرح پرورش کیا ہے جیسے رِحم میں بچہ کی پرورش کی جاتی ہے۔ اس کا میرے دل پر ایک عجیب اثر ہے۔ اس کے حسن نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے اور مَیں نے کشف میں دیکھا ہے کہ "خطیرۃ المقدس" قرآن کریم کے پانی کے ساتھ سیراب کی جاتی ہے اور وہ یعنی قرآن کریم ماء الحیات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمند ہے جس نے اس سے پانی پی لیا وہ نہ صرف خود زندہ رہے گا بلکہ اوروں کی زندگی کا بھی موجب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی قسم اس کا چہرہ ہر شے سے زیادہ خوبصورت ہے۔ وہ ایک ایسا چہرہ ہے جسے خوبصورتی کے سانچہ میں ڈھالا گیا ہے اور کمالِ حُسن کا حُلّہ پہنایا گیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے جس خدمت قرآن کو شروع کیا، آپؑ کے خلفاء نے اسے آگے جاری رکھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی تفسیر حقائق الفرقان، حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تفسیر کبیر، حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے درس القرآن اس کے گواہ ہیں۔ پھر اسی خدمت قرآن کے جذبہ کے تحت ہی جماعت نے اب تک 57 زبانوں میں قرآن کریم کے مکمل تراجم شائع کروائے ہیں۔ یہ سب حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت قرآن کا پھل ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ کی اسی خدمت قرآن اور اس کے اثر کو دیکھتے ہوئے مسٹر اسلم جرنلسٹ نے لکھا:

"قرآن کریم کے متعلق جس قدر صادقانہ محبت اس جماعت میں میں نے قادیان میں دیکھی کہیں نہیں دیکھی۔ صبح کی نماز منہ اندھیرے چھوٹی مسجد میں پڑھنے کے بعد جو میں نے گشت کی تو تمام احمدیوں کو میں نے، بلاتمیز بوڑھے و بچے و نوجوان، لیمپ کے آگے قرآن مجید پڑھتے دیکھا...... دونوں احمدی مساجد میں دو بڑے گروہوں اور سکول کے بورڈنگ میں سینکڑوں لڑکوں کی قرآن خوانی کا مؤثر نظارہ مجھے عمر بھر یاد رہے گا۔ حتیٰ کہ احمدی جماعت کے تاجروں کی صبح سویرے اپنی اپنی دکانوں اور احمدی مسافر مقیم مسافر خانوں کی قرآن خوانی بھی ایک پاکیزہ سین پیدا کر رہی تھی۔ گویا صبح کو مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ قدسیوں کے گروہ در گروہ آسمان سے اتر کر قرآن مجید کی تلاوت کر کے بنی نوع انسان پر قرآن مجید کی عظمت کا سکہ بٹھانے آئے ہیں۔ غرض احمدی قادیان میں مجھے قرآن ہی قرآن نظر آیا۔"

حضرت مسیح موعودؑ فارسی اشعار میں فرماتے ہیں:

اے بے خبر بخدمت فرقاں کمر بہ بند
زاں پیش تر کہ بانگ برآید فلاں نمند

اے بے خبر انسان! قرآن مجید کی خدمت کے لئے کمر باندھ لے اس سے پیشتر کہ یہ آواز آئے کہ فلاں شخص دنیا میں نہیں رہا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ توفیق دے کہ ہم بھی قرآن مجید سے ویسا ہی عشق ومحبت کریں جس طرح حضرت مسیح موعودؑ کو تھا۔ اور پھر اس پر عمل کرنے والے بن جائیں اور خلافت خامسہ کے اس بابرکت دَور میں اپنے پیارے آقا کی قیادت میں اس تعلیم کو دنیا کے ہر انسان تک پہنچانے والے بن جائیں۔ آمین۔

مبارک وہ جو اب ایمان لایا

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہر رضی اللہ عنہ آف رامپور یوپی

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہرؓ کا تعلق پٹھانوں کے قبیلہ یوسف زئی سے ہے جو پاکستان کے صوبہ سرحد کے متوطن قبائل میں خاص اعزاز و اکرام کا حامل ہے۔ یوسف زئی قبیلہ نے ہمیشہ اپنی آزادی کو برقرار رکھا اس کی تاریخ سینکڑوں سال سے جہد آزادی میں کوشاں رہی اور سیف وسناں سے نہ صرف اپنی آزادی کی حفاظت کرتی رہی بلکہ مختلف اوقات میں اپنے علاقہ میں برسر اقتدار بھی رہی۔ اسی معروف قبیلہ سے حضرت خان صاحب آغوش احمدیت میں آئے اور ایک گوہر تابدار بن کر چمکے۔ اس طرح حضرت خان صاحب موصوف کا تاریخ احمدیت میں نہایت اخلاص و جان نثاری کا مقام ہے زیر نظر مضمون میں آپ کے انہی کوائف واحوال کو ہدیۂ احباب کیا جاتا ہے۔

خاندانی پس منظر

آپ تحریک آزادی ہند کے ہیروز مولانا شوکت علی خان مرحوم اور مولانا محمد علی جوہر مرحوم المعروف ''علی برادران'' کے بڑے بھائی تھے۔

اس خاندان کا تعلق قبیلہ یوسف زئی کی شاخ منڈر سے ہے جس کے جدامجد میر احمد خیل تھے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ منڈر شاخ کے ایک نامور شخص حیات خان نے یوسف زئی علاقہ چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا۔ پہلے پنجاب میں اور پھر شمالی ہندوستان میں وارد ہوئے اور مختلف علاقوں میں صاحب اقتدار رہے۔ تاریخ آزاد پٹھان یوسف زئی میں لکھا ہے:

''ظہیر الدین بابر کے وقت سے انہوں نے ہندوستان میں اپنی ریاستیں قائم کرنی شروع کر دی تھیں جن کے بچے نشانات اب بھی رامپور، جونا گڑھ، ٹونک مانادار وغیرہ کی شکل میں دکھائی دے رہے ہیں۔''

(تاریخ آزاد پٹھان یوسف زئی صفحہ 613)

اس خاندان کا یہ دور سولہویں صدی سے 1857ء کی تحریک تک کا ہے جو پہلے نجیب آباد اور پھر رامپور ضلع مراد آباد یوپی میں قیام پذیر ہوئے۔ چنانچہ حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر کے والد ماجد عبدالعلی خان صاحب اپنی اولاد کے ساتھ رامپور سے ہی منسوب ہوئے۔ عبدالعلی خان فوج میں میجر تھے۔ انگریزی فوج میں ان کی نمایاں خدمات تھیں۔ اولاد میں ایک بیٹی اور پانچ بیٹے تھے۔

بندے علی خانصاحب۔ حضرت مولانا ذوالفقار علی خان گوہرؓ۔ شوکت علی خانصاحب۔ نوازش علی خان صاحب۔ مولانا محمد علی صاحب جوہر۔ احمدی بیگم

''ان کی والدہ ماجدہ بانو بیگم (بی اماں) نواب درویش علی خان صاحب پنج ہزاری کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اور سنبھل کے ایک رئیس کی بیٹی تھیں۔''

(کلام گوہر حالات زندگی صفحہ 16)

ولادت و تعلیم اور ملازمت

حضرت خان صاحب موصوف 1869ء میں بمقام رام پور پیدا ہوئے۔ والد کے انتقال کے وقت آپ گیارہ سال کے تھے۔ بڑے بھائی بندے علی خان صاحب بھی جوانی میں ہی فوت ہو گئے۔ تین بھائی اور ایک بہن چھوٹے تھے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم بریلی میں ہوئی۔ میٹرک پاس کر لیا تو علی گڑھ بھیج دیئے گئے وہاں ایف اے تک تعلیم پائی۔ گھر کے مالی حالات اچھے نہ ہونے کے باعث مزید تعلیم تو جاری نہ رکھ سکے اور 1894ء/1895ء میں بطور انسپکٹر محکمہ آبکاری ملازمت اختیار کر لی۔ یہی وہ دور ہے جب احمدیت سے آپ کا تعارف ہوا۔ آپ تحصیلدار کے عہدہ تک ترقی پا گئے تھے۔ اسسٹنٹ کمشنر کے عہدہ پر پہنچے تھے کہ اس ملازمت کو ترک کر کے نواب آف رام پور کے پاس بطور سپرنٹنڈنٹ محکمہ آبکاری ملازمت کی۔ کچھ عرصہ دوبارہ انگریزی عملداری میں ملازم رہے مگر ملازمت سے اکتا گئے تھے اس لئے ملازمت کو بالکل ترک کر دیا اور خدمت دین کے لئے وقف ہو گئے۔

احمدیت سے تعارف اور قبول حق کی سعادت

حضرت خان صاحب موصوف نے تاریخ احمدیت کے ریکارڈ کے مطابق 1900ء بذریعہ خط بیعت کی۔ محترم پروفیسر حبیب اللہ خانصاحب مرحوم لکھتے ہیں:

''1888ء کی بات ہے کہ ریاض الاخبار گورکھپور میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا ایک خط الیگزینڈر رسل ویب سفیر امریکہ متعینہ فلپائن کے نام شائع ہوا اس کو پڑھتے ہی والد صاحب نے سمجھ لیا کہ جو آنے والا تھا وہ آ گیا۔ والد صاحب کا بیان ہے کہ اس اخبار کو پڑھ کر میرے دل نے آپ کی تصدیق کی اور میں نے اپنے بھائی نوازش علی اور ایک اور صاحب کو جو اس وقت وہاں موجود تھے گواہ ٹھہراتے ہوئے کہا کہ: اس زمانہ کا مصلح جو آنے والا تھا وہ آ گیا ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضور کے دعویٰ مسیحیت کا والد صاحب کو کوئی علم نہیں ہوا۔ 1892ء میں والد صاحب کی ملاقات مولوی تفضّل حسین صاحب اٹاوی سے ہوئی جو حضور کے مرید تھے تو والد صاحب نے فرط عقیدت سے ان کا ہاتھ چوم لیا 1900ء میں جب یہ صاحب بھوگاؤں میں تحصیلدار تھے تو والد صاحب تین ماہ کے لئے اس جگہ نائب تحصیلدار ہو کر گئے۔ میل ملاپ کے دوران تفضّل حسین صاحب نے حضرت بانی سلسلہ کی کتاب ازالہ اوہام پڑھنے کے لئے دی تو والد صاحب کو حضورؑ کے دعاوی اور ان کے دلائل کا تفصیلی علم ہوا اور انہوں نے فوراً بیعت کا خط حضور کی خدمت میں ارسال کر دیا۔

(کلام گوہر حالات زندگی صفحہ 21-20)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی زیارت سے مشرف ہونا

بیعت کے بعد 1904ء آپ میں قادیان کے لئے روانہ ہوئے ۔ محترم پروفیسر صاحب مرحوم لکھتے ہیں ۔

"مئی 1904ء میں قادیان کے لئے روانہ ہوئے ۔ بٹالہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضور ایک مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف لے گئے ہیں اس لئے والد صاحب گورداسپور چلے گئے اور سیدھا کچہری پہنچے ۔ کچہری کے قریب ہی کھڑے تھے کہ حضورؑ کو تشریف لاتے دیکھا حضورؑ نے اگر چہ والد صاحب کو پہلے نہیں دیکھا تھا تاہم پہچان لیا کہ یہ تحصیلدار صاحب ہیں اور اسی نام سے مخاطب ہوئے ۔ والد صاحب نے سلام کر کے مصافحہ کیا اور جب حضور اتر کر شیشم کے درختوں کی طرف روانہ ہوئے تو والد صاحب حضورؑ کے ہمراہ ہوئے ۔ 4 بجے کچہری سے واپسی ہوئی ۔ والد صاحب کو بھی حضورؑ نے اپنی قیام گاہ پر ٹھہرنے کا ارشاد فرمایا والد صاحب اچھی قسم کے لکھنوی خربوزے ساتھ لائے تھے وہ پیش کئے ۔ حضور پلنگ پر تشریف فرما تھے باقی اصحاب فرش پر بیٹھے تھے ۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے خربوزے کھانا شروع کر دیئے اور چھلکے پلنگ کے نیچے پھینکتے گئے ۔ والد صاحب کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی ۔ حضورؑ نے والد صاحب کے چہرے کا تغیر دیکھ کر ان کے جذبات کو محسوس کیا اور حضورؑ کا چہرہ سرخ ہو گیا ۔ پھر حضورؑ پیشاب کے لئے باہر تشریف لے گئے ۔ دوسرے اصحاب بھی خربوزے ختم کر کے باہر پلنگوں پر جا بیٹھے ۔ والد صاحب نے چھلکے جمع کر کے کمرہ کی صفائی کر دی ۔ جب حضورؑ واپس کمرہ میں آئے تو خواجہ صاحب نے کہا تحصیلدار صاحب بہت سادہ مزاج اور بے تکلف ہیں ۔ یہ سن کر حضور کا چہرہ پھر سرخ ہو گیا اور فرمایا: خواجہ صاحب! کیا صرف پنجاب میں ہی شریف لوگ ہوتے ہیں ۔ حضورؑ اپنے رفقاء کے ساتھ ہی کھانا تناول فرمایا کرتے ۔ والد صاحب حضورؑ کے بالکل سامنے بیٹھتے تا کہ قربت بھی رہے اور حضور کے ارشادات بھی سن سکیں ۔" (کلام گوہر حالات زندگی صفحہ 24-23)

حضرت اقدسؑ سے تعلق اور چند روایات

محترم پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب لکھتے ہیں:

☆ والد صاحب نے پان حضورؑ کی خدمت میں اس خیال سے پیش کیا کہ حضورؑ کی زوجہ محترمہ دہلی کی ہیں گھر میں پان استعمال ہوتا ہوگا ۔ حضور نے مسکراتے ہوئے پان لے کر کھا لیا ۔ پھر ہر ایک کھانے کے بعد والد صاحب اسی طرح پان پیش کرتے رہے دو تین مرتبہ کے بعد خواجہ کمال الدین صاحب نے والد صاحب سے کہا کہ حضورؑ کو پان کھانے کی عادت نہیں ہے آپ کی دلداری کے لئے کھا لیتے ہیں اس سے حضورؑ کو تکلیف ہوتی ہوگی ۔ اس کے بعد والد صاحب نے پان پیش کرنے کی جرائت نہ کی ۔ کھانے سے فراغت کے بعد حضورؑ نے ارشاد فرمایا تحصیلدار صاحب آج آپ ہمیں بھول گئے ۔ والد صاحب نے خواجہ صاحب کی گفتگو کا حوالہ دیا تو حضور نے بڑی شفقت سے فرمایا نہیں محمود کی والدہ مجھے پان دیتی ہیں تو میں کھا لیتا ہوں ۔ یہ حضورؑ کی اپنے خدام سے کمال شفقت کا اظہار تھا ۔

☆ ایک دن حضورؑ وقت سے کافی پہلے کچہری تشریف لے گئے ۔ ابھی سارے حکام نہیں آئے تھے ۔ خواجہ صاحب نے والد صاحب سے کہا چلئے ذرا جج خدا بخش صاحب سے مل آئیں ۔ والد صاحب ساتھ ہو لئے کمرہ میں جج صاحب اور ان کے پیشکار محمد حسین (خشکی) صاحب موجود تھے ۔ دونوں نے خواجہ صاحب سے کہا کہ کرم دین سے یہ مقدمہ بازی نا مناسب ہے آپ مرزا صاحب کو سمجھا کر صلح کرا دیں ۔ خواجہ صاحب نے کہا ہاں میں بھی صلح کو اچھا سمجھتا ہوں کوشش کروں گا پھر والد صاحب سے کہا کہ آپ بھی میری تائید کر دیجئے گا ۔ والد صاحب خاموش رہے ۔ جب خواجہ صاحب نے جج صاحب کا پیغام حضورؑ کو پہنچایا ۔ اس وقت حضورؑ لیٹے ہوئے تھے یہ دیکھ کر کہ خواجہ صاحب بھی جج اور ان کے پیشکار کے ہم خیال ہیں حضور اٹھ بیٹھے اور بہت جوش سے فرمایا " خواجہ صاحب اس مقدمہ میں صلح کے معنی تو یہ ہیں کہ ہمارے دعوے جھوٹے ہیں اور ہم نے از خود ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے ۔ کیا یہ میرا مقدمہ ہے کہ میں صلح کر لوں ۔ یہ تو اللہ کا معاملہ ہے ۔ اس مقدمہ میں تو نبوت کا مسئلہ ہی بنائے مخاصمت ہے ۔ ہمارا کرم دین کا ذاتی معاملہ تو نہیں ہے ۔ ہم تو ذاتی طور پر کسی سے بھی مقدمہ بازی پسند نہیں کرتے ۔ اس میں صلح ہو ہی کیا سکتی ہے" یہ ساری تقریر اس جوش میں فرمائی کہ خود خواجہ صاحب اور تمام حاضرین نے محسوس کر لیا کہ خواجہ صاحب کو یہی جواب جج صاحب کو دینا چاہئے تھا اور ایسا پیغام حضورؑ تک پہنچانا خود خواجہ صاحب کے عدم فہم پر دال ہے ۔

☆ والد صاحب 24 دن حضورؑ کی خدمت میں حاضر رہے اور بہت سے تائید الٰہی کے نشانات دیکھے جو ان کے لئے ازدیاد ایمان کا موجب ہوئے ۔ جب رخصت ختم ہونے لگی اور شام کی گاڑی سے جانا تھا تو حضورؑ سے اجازت لینے کی ہمت نہ تھی ۔ غم سے نڈھال تھے اور منہ سے بات نکلتی نہ تھی ۔ حضورؑ نے اپنی قیام گاہ میں ایک کمرہ دعا کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اسے سب دوست بیت الدعا کہنے لگے تھے ۔ حضورؑ بیت الدعا سے برآمد ہو کر پلنگ پر بیٹھ گئے ۔ دوسرے جو موجود تھے وہ مقابل کی چارپائی پر بیٹھے مصروف گفتگو تھے ۔ والد صاحب بڑے رقیق القلب تھے ۔ اپنی حالت زار سے مجبور ہو کر حضور کی پشت کی جانب جو پٹی تھی اس کو پکڑ کر سر چارپائی پر رکھ دیا ۔ باوجود کوشش کے ضبط نہ کر سکے اور سسکیاں لے کر رونے لگے ۔ جب حضورؑ نے رونے کی آواز سنی تو پلٹ کر دیکھا ۔ رونے کی وجہ سے ٹوپی تو سر سے اتری ہوئی تھی ۔ حضورؑ نے بڑی شفقت سے دیر تک والد صاحب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صبر کی تلقین کی اور فرمایا " آپ گھبرائیں نہیں ۔ میں آپ کے لئے دعا کرتا رہوں گا ۔ خدا آپ کے ساتھ ہو" والد صاحب نے حالت گریہ میں ہی واپس جانے کی اجازت طلب کی فرمایا: "بے شک جائیے مجھے خط لکھتے رہا کریں ۔ میں دعا کروں گا" والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب حضور میرے سر پر ہاتھ پھیر رہے تھے مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا میرے سر سے مصیبتوں کے پہاڑ دور ہو رہے ہیں اور دل کو اس درجہ ٹھنڈک پہنچتی تھی کہ میں لفظوں میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا ۔

(کلام گوهر تعارف حالات زندگی صفحه 25-24)

☆ حضرت مولانا موصوف کے وجود پر حضرت اقدس کے ایک الہام "کتاب الولی ذوالفقار علی" کا بھی اطلاق ہوتا ہے ۔ اس الہام کی ایک تشریح حضرت اقدسؑ نے فرمائی کہ جو کام علیؓ کی تلوار نے اپنے زمانہ میں کیا وہی کام میری کتب سرانجام دیں گی ۔ بعض دفعہ ایک الہام کئی رنگ میں پورا ہوتا ہے اس کی تفصیل رجسٹر روایات میں یوں درج ہے ۔ حضرت مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"حضورؑ نے فرمایا کہ نواب صاحب رامپور کو ہم لکھتے لیکن آپ کو شاید نقصان پہنچے

خط دینے سے۔ میں نے عرض کیا مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اگر میری نوکری بھی چلی جاوے تو مجھے اندیشہ نہیں، گورنمنٹ سے عارضی خدمات میری لی گئی ہیں۔ حضورؑ نے خوش ہوکر فرمایا کہ خط دیں گے۔ چنانچہ حضورؑ نے مجھے نواب صاحب رامپور سر سید حامد علی خان صاحب کے نام خط دیا جس کی نقل مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر 'بدر' نے رکھی۔ جب نواں پنڈ سے سیر کر کے لوٹے میں اور مفتی محمد صادق صاحب حضور کے ہمراہ سڑک پر چلتے رہے۔ جو سڑک دفتر فاروق کے پاس ہے یعنی سڑک محلّہ دارالفضل تقریباً اسی جگہ جہاں دفتر فاروق ہے حضرت اقدسؑ سے مفتی صاحب نے پوچھا کہ حضورؑ کتاب بمعنی مکتوب بھی عربی میں آتا ہے حضورؑ نے فرمایا ہاں استعمال ہوتا ہے۔ پھر مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضورؑ کا الہام کتاب الولی ذوالفقار علی پر بھی چسپاں ہوتا ہے۔ حضورؑ چلتے چلتے رک گئے اور مفتی صاحب کی طرف مڑ کر کھڑے ہوکر فرمایا کہ آپ صحیح کہتے ہیں۔''

(روایات صحابہ جلد 6صفحہ 361)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؑ کے مکتوب کا مولانا ذوالفقار علی صاحب گوہر کے ذریعہ بھجوانا الہام مذکورہ کا ایک رنگ میں پورا ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ حضرت مولانا صاحب موصوف کے کئی اور واقعات بھی روایات صحابہ جلد6 میں درج ہیں جن سے حضرت اقدسؑ کے ساتھ آپ کا اخلاص ومحبت ظاہر ہوتا ہے۔

قادیان میں مستقل سکونت اور خدمت دین

جب حضرت خانصاحب نواب آف رامپور کے ہاں ملازمت کر رہے تھے آپ کو ایک ابتلاء بھی پیش آیا جناب پروفیسر صاحب لکھتے ہیں۔

''ایک مرتبہ ایک شخص والدصاحب کے پاس آیا اور کہا کہ میں احمدی ہونا چاہتا ہوں۔ والدصاحب نے اسے قادیان جانے کا مشورہ دیا۔ اس نے اپنی مالی تنگی کا دردناک رنگ میں اظہار کیا تو والدصاحب نے کچھ رقم بطور امداد کے دی اور ایک کتاب بھی پڑھنے کو دی اس نے وہ رقم اور کتاب نواب صاحب تک یہ کہہ کر بھجوا دی کہ یہ مجھے روپیہ دے کر قادیانی بنانا چاہتے ہیں۔ اس شکایت پر ان پر مقدمہ چلا لیکن بفضلہ تعالیٰ بری ہوگئے۔ اس وقت سے والدصاحب ریاست کی ملازمت سے دل برداشتہ ہوگئے اور استعفیٰ دے کر پھر سرکار انگریزی کی ملازمت اختیار کر لی۔ دو سال بجنور میں متعین رہے۔''

محترم پروفیسر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''1918ء میں جب حضرت مصلح موعودؓ نے زندگی وقف کرنے کی تحریک فرمائی تو والدصاحب نے فوراً اپنا نام پیش کر دیا پھر 1920ء میں پنشن لے کر اور دنیوی عیش وآرام کو ترک کر کے قادیان کی چھوٹی سی بستی میں دھونی رما کر بیٹھ رہے اور فقیرانہ زندگی کو اختیار کر لیا۔ جو خدمت سپرد کی گئی اس کی سرانجام دہی کو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے باعث برکت سمجھا۔ کئی سال ناظر امور عامہ رہے اور بعد ازاں ناظر اعلیٰ کے عہدے پر فائز ہوئے۔ 1930ء میں نواب رضا علی خان والی ریاست رامپور نے والدصاحب کی خدمت سے استفادہ کرنے کی خواہش ظاہر کی اور حضرت امام جماعت احمدیہ کو اس بارہ میں مراسلہ بھیجا تو حضورؓ کی اجازت سے 5 سال رامپور میں گزارے لیکن وہاں دل نہ لگتا تھا۔ اس لئے استعفیٰ دیکر پھر مرکز سلسلہ میں آبیٹھے حضورؓ نے تحریک جدید میں نظامت جائیداد اور تجارت کا کام سپرد کیا۔ جو والدصاحب نے تقسیم ملک تک سرانجام دیا۔ پاکستان آنے کے بعد چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تھے۔ اس لئے مجبوراً جماعتی کاموں سے فراغت حاصل کر لی۔ سلسلہ کی خدمات کے دوران والدصاحب کو کئی مرتبہ اہم جماعتی وفود میں شمولیت کی عزت بھی حاصل ہوئی۔ مثال کے طور پر۔

1۔ جون 1921ء میں لارڈ ریڈنگ وائسرائے ہند سے ملاقات (الفضل 24 جولائی 1921ء)

2۔ فروری 1922ء میں شہزادہ ویلز کو تحفہ پیش کرنے کے لئے (الفضل 27 فروری 1922ء)

3۔ مئی 1924ء، دسمبر 1927ء اور فروری 1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں شرکت کے لئے۔

4۔ 1925ء اور 1927ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں شمولیت کے لئے اور مارچ 1928ء میں سائمن کمیشن سے ملاقات کے لئے جو نمائندہ وفود جماعت کی طرف سے بھیجے گئے ان میں والدصاحب ایک رکن کی حیثیت سے شامل ہوئے۔''

(کلام گوہر حالات زندگی صفحہ 18-17)

اگست 1930ء میں جب آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی اجازت سے رام پور جانے لگے تو روانگی کے وقت ایک الوداعی ایڈریس پیش کیا گیا ایڈریس میں آپ کے کام کو سراہتے ہوئے خدمات کا یوں ذکر کیا گیا۔

''خان صاحب ایک عرصہ تک ناظر امور عامہ اور اس کے بعد کئی سال ناظر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے...... اپنے محکمانہ کام کا تجربہ جو آپ نے سرکاری اور ریاست کی ملازمت کے دوران حاصل کیا تھا ہمارے دفاتر کے بہت سے مسائل طے کرنے میں مفید اور کارآمد ثابت ہوا اور باوجود پیرانہ سالی اور بہت سے خانگی تفکرات کے جس شوق، اخلاص، جاں فشانی اور شگفتگی سے آپ نے اپنے فرائض کو سرانجام دیا ہے وہ حقیقی تعریف اور شکریہ کا مستحق ہے''۔

(الفضل 16/ اگست 1930ء)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس موقعہ پر ارشاد فرمایا:

''میں خانصاحب کی ان خدمات سلسلہ کا شکریہ ادا کئے بغیر نہیں رہ سکتا جو انہوں نے دس سال تک باوجود پیرانہ سالی کے ادا کیں۔ 1918ء میں مَیں نے وقف زندگی کا اعلان کیا تھا چوہدری نصر اللہ خان صاحب مرحوم ومغفور اور خان صاحب دونوں نے اپنی زندگی وقف کی تھی...... خان صاحب نے بھی نہایت عسرت سے گزارہ کر کے جس اخلاص سے کام کیا ہے میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرے گا اور ان کی یہ قربانی ضائع نہیں جائے گی۔ اب وہ میری اجازت اور میری منشاء کے مطابق رام پور جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ انہیں وہاں بھی سلسلہ کی خدمات کی توفیق عطا فرماتا رہے۔''

(الفضل 21/ اگست 1930ء)

ایک خاص امتیاز

1924ء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس المعروف ''ویمبلے کانفرنس'' انگلستان میں منعقد ہوئی جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو بھی شرکت کی دعوت ملی۔ حضرت مولانا صاحب موصوف بھی حضورؓ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ واپسی پر

چندروز کے لئے حضورؓ نے دمشق میں قیام کیا۔ اتفاق سے ہوٹل میں اتنی جگہ نہ مل سکی جہاں سارا قافلہ ٹھہر سکتا۔ مجبوراً دو خدام حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہرؓ اور حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ نے حضورؓ کے ساتھ ہوٹل میں قیام کیا۔ صبح نماز فجر کے بعد حضورؓ کو سامنے ایک سفید مینار نظر آیا۔ حضورؓ کا خیال آنحضرت ﷺ کی ''المنارۃ البیضاء'' والی پیشگوئی کی طرف گیا۔ فرمایا'' آج وہ پیشگوئی پوری ہوگئی ۔ اس وقت دوفرشتہ سیرت خدام میرے ساتھ ہیں اور ہم ''المنارۃ البیضاء'' کے قریب ہی اترے ہیں۔

(بحوالہ الفضل 4/ اگست 1979ء)

اس طرح پیشگوئی کے پورا ہونے اور حضرت مولانا صاحب موصوف کوفرشتہ سے تعبیر کرنا ایک بہت بڑا امتیاز اور اعزاز ہے۔

وفات اور اولاد

حضرت خانصاحب دہلی میں مقیم تھے۔ جب برصغیر کی تقسیم ہوئی تو آپ بمعہ اہل وعیال لاہور آ گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ اپر مال روڈ پر ایک کوٹھی الاٹ ہوئی۔ اس طرح رہائش کا مسئلہ حل ہوگیا۔ پیرانہ سالی تھی جسم بھاری تھا۔ گھٹنوں کے درد کی تکلیف رہتی تھی۔ اکثر وقت لیٹے رہتے تھے جس کی وجہ سے نظام ہضم پر اثر پڑا دن بدن کمزوری ہوتی گئی۔ بالآخر 26 رفروری 1954ء کو بعمر 86 سال مولائے حقیقی سے جا ملے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے رتن باغ میں نماز جنازہ پڑھائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں (قطعہ صحابہ) میں تدفین ہوئی۔ آپ کا وصیت نمبر 75 تھا۔ آپ کثیر العیال تھے۔ چار بیویوں سے اولاد تھی۔ جب 1960ء میں قادیان تشریف لے آئے تو آٹھ لڑکے اور چھ لڑکیاں تھیں۔ آپ کی اولاد میں سے حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب مرحوم اور پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب مرحوم کو خدمت سلسلہ کی خاص توفیق ملی۔

حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب گوہر شمالی ہندوستان کے ایک نامور خاندان سے تعلق رکھتے تھے اگرچہ برصغیر کی آزادی کے لئے جدوجہد میں اس خاندان کے ''علی برادران'' کا خاص تعلق ہے مگر حضرت خان صاحب کو اسلام کی خاص خدمت کا موقعہ عطا ہوا۔ جب کسی کانگریسی لیڈر نے آپ سے سوال کیا کہ: ''آپ کے دوچھوٹے بھائیوں نے تو وطن کی آزادی کیلئے جدوجہد کی۔ آپ نے ایسا کیوں نہ کیا۔ جواب دیا میں بڑا بھائی تھا اس لئے میں نے اپنے ذمہ بڑا کام لیا۔ اس نے پوچھا کون سا؟۔ فرمایا:

''ساری دنیا شیطان کی غلامی میں پھنسی ہے اور ساری دنیا کو آزاد کرانا ہندوستان کی آزادی سے بڑا کام ہے۔ اس لئے میں اس تحریک میں شامل ہوں اور اس کا سپاہی ہوں، جس تحریک کا یہی مقصد ہے۔ یعنی تحریک احمدیت''

(روایت 'صحابہ' بحوالہ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 128)

حضرت مولانا موصوف کی سیرت کا یہ درخشاں پہلو امتیازی حیثیت کا حامل ہے سلسلہ احمدیہ کے لئے آپ کی خدمات نے آپ کو دائمی زندگی بخشی ۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما

نیشنل مجلس عاملہ انصاراللہ یوکے کی

قرارداد تعزیت

حضرت مرزا عبدالحق صاحب سرگودھا اور محترمہ صاحبزادی امۃ الباسط صاحبہ کی پاکستان سے وفات کی اندوھناک اطلاعات موصول ہوئی ہیں۔ انّا للّٰہ وانّا الیہ رَاجِعُون۔

حضرت مرزا عبدالحق صاحب سرگودھا کی مختلف حیثیتوں سے جماعتی خدمات ایک لمبے عرصہ پر پھیلی پڑی ہیں خلافت ثانیہ سے لیکر خلافت خامسہ تک ان کی نمایاں خدمات کی ایک لمبی فہرست ہے ان کی شخصیت، علمیت اور انتظامی صلاحیتوں سے جماعت نے لمبا عرصہ تک فائدہ اٹھایا ہے ان کی نیکی، تقویٰ اور قربانیاں لائق صد ستائش ہیں حقیقی معنوں میں جماعت ایک بہت ہی مفید وجود سے محروم ہوئی ہے۔

1974ء میں ان کی ذاتی قربانی احباب جماعت کے لئے ایک بڑی قابل تقلید مثال چھوڑ گئی ہے۔ جماعت کے ساتھ ہمیشہ اخلاص اور وفا کا تعلق رہا۔ اللہ تعالیٰ نے عمر کے لحاظ سے بھی ان کو غیر معمولی برکت بخشی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے، جماعت اور ان کی اولاد کو بھی ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین

محترمہ بی بی امۃ الباسط صاحبہ خدا تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لخت جگر، دومقدس خلفاء کی بہن، ایک نمایاں اور زبردست منتظم واقف زندگی کی رفیقۂ حیات، ایک مخلص اور بہادر واقف زندگی کی والدہ محترمہ، شہید احمدیت کی خوش دامنہ، ہمارے موجودہ پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ اور حضرت سیّدہ بیگم صاحبہ خلیفۃ المسیح الخامس کی خالہ محترمہ ہونے کا منفرد اعزاز حاصل ہے۔ آپ بے حد غریب نواز، مخلص، دعا گو منکسر المزاج اور تقویٰ شعار خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

مجلس انصاراللہ یوکے ان دونوں مخلصین کی وفات پر گہرے دُکھ اور افسوس کا اظہار کرتی ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومین کو غریق رحمت کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ان دونوں بزرگوں کی وفات کی وجہ سے جماعت میں جوخلاء پیدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے محض اپنے فضل سے پُر کرے۔

ہم ہیں اراکین نیشنل مجلس عاملہ انصاراللہ یوکے

نقاب، اسلامی پردہ اور حالاتِ حاضرہ

(ابن نور)

گذشتہ چند ہفتوں سے انگلستان کا سارا میڈیا یعنی اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی وژن بعض مسلمان عورتوں کے نقاب پہننے پر بڑے زور شور سے ایک قسم کی ''اخلاقی جنگ'' میں مصروف ہے۔ مختلف اخبارات میں نقاب پر مضامین لکھے جارہے ہیں اور کئی اخبارات نے تو اپنے اداریئے بھی اس مضمون کے لئے مخصوص کردیئے ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر بھی مختلف مکاتبِ فکر کے افراد کو مدعو کر کے اس موضوع پر گفتگو اور بحث کی جارہی ہے۔ اخبارات میں اور ٹیلی وژن پر بھی نقاب میں ملبوث عورتوں کی تصاویر اور ان کے کارٹون بھی دکھائے جارہے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس وقت انگلستان میں درپیش سب سے اہم ترین مسئلہ اسلام اور نقاب کا مسئلہ ہے۔ ہر سیاستدان اور سماجی کارکن اسے وقت کی ایک اہم ضرورت سمجھ کر بڑھ چڑھ کر بیان بازی میں مصروف ہے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو سارے انگلستان میں بہت کم عورتیں ہوں گی جو سختی سے سعودی عرب قسم کا نقاب پہنتی ہیں مگر میڈیا اسے اس انداز میں پیش کررہا ہے کہ گویا ساری مسلمان عورتیں نقاب پہن رہی ہیں اور اس سے ''برٹش کلچر'' کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ انصاف کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ اس بات کا بھی اعتراف کیا جائے کہ اکثر اخبارات سیاستدانوں اور مسلمانوں کے بیانات کو تقریباً مساوی جگہ دے رہے ہیں اور نقاب پہننے کی آزادی اور اس کے خلاف بیانات کو شائع کررہے ہیں۔

محاذ آرائی کا پسِ منظر:

حیرت کی بات ہے کہ سب سیاستدانوں اور دانش مندوں کی توجہ کا مرکز نقاب ہی کیوں بن کر رہ گیا ہے۔ بے شمار معاشرتی خرابیوں سے ان کی توجہ کیوں ہٹ کر رہ گئی ہے اور کیوں یک لخت سارا معاشرہ نقاب میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ جب اس بات کا تجزیہ کیا جائے تو یوں دکھائی دیتا ہے کہ یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سکیم کے تحت ہورہا ہے۔ نقاب کے پس منظر میں تین وجوہات کام کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یورپ میں پہلے یہود کے خلاف بیان بازی کا رواج تھا۔ کبھی ان کے لباس پر اعتراض، کبھی ان کی ٹوپی کا پہننا جرم اور کبھی ان کا یکجا رہنے کو تفریق اور علیحدہ پسندی کا نام دیا جاتا تھا۔ اب یورپ میں یہودیت کی بجائے اسلام ایک نئی قوت کے طور پر ابھر رہا ہے اور عیسائیت کے بعد اسلام یورپ کا دوسرا بڑا مذہب بن گیا ہے اس لئے اسلام کا بڑھتا ہوا اثر ونفوذ یورپ اور عیسائیت کو خائف کررہا ہے۔ اس لئے اب یہود کی بجائے اسلام کو اعتراضات کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور لگتا ہے کہ سارا معاشرہ اسلام فوبیا کا شکار ہوکر رہ گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انگلستان میں یہ پہلا موقعہ نہیں کہ مسلمانوں پر اعتراض ہورہا ہے۔ اس سے قبل سکولوں میں حجاب پہننے یا مسلمان لڑکیوں کے سکرٹ نہ پہننے پر اعتراض اٹھائے گئے ہیں۔

1970ء کی دہائی میں سکھوں کی پگڑیوں پر بھی اعتراض ہوئے تھے اور انہیں بھی تضحیک کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اسی طرح جرمنی میں اور فرانس میں سیکولرازم کے نام پر حجاب پر پابندیاں عائد کی گئیں ہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے میں تشدد پسند مسلمان تنظیموں کا بھی ہاتھ ہے جو اپنے نام نہاد مذہبی رہنماؤں اور جاہل ملّاؤں کے دام میں آکر ایسی جنونی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں جن کا اسلام کی حقیقی تعلیم کے ساتھ دُور کا بھی تعلق نہیں۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو پوپ کے اسلام کے خلاف بیان کے بعد وٹڈسر کی مسجد کا معاملہ، ایک مسلمان پولیس آفیسر کے اسرائیل کے سفارت خانے سے ہٹانے اور اس کے بعد جیک سٹرا کے بیان نے سارے ملک میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف ایک محاذ کی سی کیفیت پیدا کردی ہے۔

بظاہر یوں لگتا ہے کہ یہ سارا معاملہ جیک سٹرا، جو ایک لمبے عرصہ سے پارلیمنٹ کے ممبر ہیں، ان کے حلقہ انتخاب میں ایک مسلمان عورت کے نقاب پہننے کے مسئلہ پر بیان سے شروع ہوا ہے۔ یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جیک سٹرا وہی سیاست دان ہیں جو پہلے وزیر دفاع بھی تھے اور انہوں نے مسلسل برطانوی عوام کو اس بات کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ صدام حسین کے پاس وسیع پیمانے پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار موجود ہیں اس لئے عراق پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ بعد کے حالات نے ثابت کردیا تھا کہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ تھا۔ بہر حال جیک سٹرا نے یہ بیان دیا کہ جب ان کی سرجری میں مسلمان عورتیں نقاب پہن کر آتی ہیں تو انہیں ان کے ساتھ بات چیت کرنے میں دشواری پیش آتی ہے کیونکہ وہ ان کے چہروں کو دیکھ نہیں سکتے اس لئے ان کے نزدیک مسلمان عورتوں کو نقاب اتار دینا چاہیے۔

کئی اخبارات نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ یہ محض اتفاق نہیں کہ جیک سٹرا نے ایسا بیان جاری کیا ہے بلکہ انہوں نے ایک نہایت مناسب موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور اس میں کامیاب رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت لیبر پارٹی کی مقبولیت کم ہوتی جارہی ہے اور کافی عرصہ سے میڈیا جیک سٹرا کو کوئی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ اب وہ چاہتے ہیں کہ انہیں آئندہ لیبر پارٹی کا ڈپٹی لیڈر منتخب کرلیا جائے جس کے لئے وہ ایسے بیان دے رہے ہیں تاکہ وہ ایک اہم اور سخت اصول پسند سیاستدان کے طور پر ابھر سکیں۔ اخبارات کی رائے میں انہوں نے اس بیان بازی سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے اور ملک کے ہر اخبار میں ان کے بیان چھپ رہے ہیں اور مختلف ٹیلی وژن چینل بار بار ان کی تصاویر دکھا رہے ہیں۔ اور اس طرح دوبارہ میڈیا کی وجہ سے وہ شہرت کی روشنی میں نہا رہے ہیں۔ وہ لوگ جو اُن کے ہم خیال ہیں، ان کے حق میں بیان دے رہے ہیں جس سے ان کے حق میں راہ ہموار ہورہی ہے۔ اب ایک اور وزیر ایلن جانسن نے بھی نقاب کے خلاف بیان دیدیا ہے۔ وہ بھی لیبر پارٹی میں ڈپٹی لیڈر کے عہدے کے خواہاں ہیں۔ ایک اخبار

نے لکھا ہے کہ آج کی لیبر پارٹی میں اگر کوئی نقاب کے خلاف بیان نہیں دیتا تو اس کی طاقت اور اثر و رسوخ کی لیبر پارٹی میں کوئی اہمیت نہیں۔

جب حالات ایسے ہوں کہ کوئی شخص سارے میڈیا کی توجہ بن جائے تو پھر بہت سے دوسرے لوگ بھی اس طریق سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں۔نسلی مساوات کے چیئرمین نے بھی جیک سٹرا کے بیان کی تائید کردی ہے کہ اس معاملہ میں ان کا مؤقف بالکل درست ہے اور ہر لحاظ سے مناسب ہے۔انہوں نے یہ بیان اس دن دیا جب اعلیٰ تعلیم کے وزیر بل ریمل نے کہا کہ کالجوں اور دانش گاہوں میں اس بات پر زور دیا جائے کہ طالب علم نقاب پہن کر کلاسوں میں شامل نہ ہوں۔اسی طرح دونوں بڑی سیاسی پارٹیوں کے مختلف وزراء اور رہنماؤں نے بھی اس بیان بازی میں حصہ لیا ہے۔اکثر نے جیک سٹرا کی تائید کی ہے مگر بعض نے اسے لغو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ اصل مسائل سے توجہ ہٹانے اور نسلی مساوات کو ختم کرنے کی کوشش ہے اور اس کا فائدہ سماج دشمن عناصر ہی کو ہوگا۔بدنام زمانہ سلمان رشدی نے بھی نقاب کے خلاف بیان جاری کر دیا ہے۔ایک اہم سوال یہ بھی پوچھا جارہا ہے کہ جیک سٹرا کو کتنی بار ایسی عورتوں سے ملنا پڑتا ہے جنہوں نے نقاب پہنا ہوتا ہے اور جن سے بات کرنے میں انہیں مشکل پیش آتی ہے۔اگر کوئی عورت ان کے سامنے اپنی آدھی سے زیادہ ننگی چھاتیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو تو کیا اس وقت وہ مشکل محسوس نہیں کریں گے؟ بہر حال ایک بات جس کا سب کو اعتراف ہے کہ جیک سٹرا کے اس بیان کی وجہ سے ان کے علاقہ کی کسی عورت نے نقاب پہننا نہیں چھوڑا۔

نقاب کے خلاف بیان بازی کا سب سے بڑا فائدہ وزیراعظم کو ہوا ہے کہ لوگ لیبر پارٹی اور وزیراعظم سے تنگ آچکے تھے اور انہیں ریٹائر ہونے کا مشورہ دے رہے تھے۔اب سب کی توجہ اس سے ہٹ چکی ہے اور سب اصل مسائل سے ہٹ کر غیر اہم مسئلوں میں پھنسے رہیں گے۔بعض کا خیال ہے کہ یہ ایک سوچی سمجھی سکیم تھی جس پر عمل ہو رہا ہے۔شائد ایسا ہی ہو کیونکہ اس کے ساتھ ہی سکولوں میں داخلوں کی بات شروع ہوگئی ہے کہ ہر مذہبی سکول میں دوسرے مذاہب کے بچوں کو بھی داخل کرنا لازمی قرار دیا جائے۔بعید نہیں کہ اس قسم کے دوسرے مسائل کو بھی کھڑا کر دیا جائے تاکہ عوام کی توجہ اصل مسائل سے ہٹی رہے اور وہ اس قسم کے مسائل میں الجھ کر رہ جائیں۔

عوام کی آراء:

سیاستدانوں اور مختلف لیڈروں کے علاوہ مسلم اور برٹش عوام نے بھی بیانات دیئے ہیں اور اکثر اخبارات نے جیک سٹرا کے حق میں اور اس کے خلاف بیانات کو اپنے کالموں میں جگہ دی ہے۔ایک انگریز نے کہا ہے ہم کون ہیں کہ عورتوں کو اپنے مذہب پر عمل کرنے سے روکیں۔ایک انگریز عورت نے کہا ہے کہ ”لوگ جس قسم کا بھی لباس پہننا چاہیں، میں اس کا احترام کرتی ہوں مگر اس بات کا بھی احترام کیا جانا چاہیئے کہ دوسروں کی کیا رائے ہے“۔ایک اور انگریز نے کہا ہے کہ اہم ترین بات یہ ہے کہ عورتوں کو حق دیا جائے کہ ان کا اپنا انتخاب کیا ہے۔ایک انگریز مرد نے بیان دیا ہے کہ اگر کوئی عورت نقاب پہننا چاہتی ہے تو اسے اس بات کا حق ہونا چاہیے بے شک یہ ایک کلچرل فرق ہوگا مگر اس کا اپنا بھی تو حق ہونا چاہیے۔بعض نے نقاب کے خلاف بھی بیان دیئے ہیں کہ ہم لوگوں کو مجبور تو نہیں کر سکتے کہ وہ کہاں رہیں مگر نقاب پہننا نامناسب بات ہے۔ایک انگریز عورت نے بیان دیا ہے کہ جب روم میں ہو تو ویسا ہی کرو جیسا کہ رومن کرتے ہیں اس لئے مسلمانوں کو یہاں آکر یہاں کا کلچر اپنانا چاہیے۔ایک کتاب نویس اور براڈ کاسٹر انگریز عورت نے کہا ہے کہ اسے مسلم عورتوں کے نقاب پہننے پر کوئی اعتراض نہیں، اسے حیرت اس بات پر ہوتی ہے جب ایک یورپین عورت مسلمان ہو کر نقاب اور برقعہ پہن کر اپنے آپ کو غلام بنا لیتی ہے۔داؤد عبداللہ آف مسلم کونسل آف برٹین نے کہا ہے کہ ”نقاب بعض غیر مسلم لوگوں کے لئے مشکل پیدا کر دیتا ہے مگر خود مسلمان بھی اس مسئلہ پر پوری طرح متفق نہیں“۔

جمہوری حق:

برطانیہ کے سیاستدان اپنے آپ کو ساری دنیا میں جمہوریت کے چیمپین کے طور پر دیکھتے اور ظاہر کرتے ہیں اور جب بھی موقعہ ملتا ہے وہ اس کا برملا اظہار کرتے ہیں حتیٰ کہ جمہوریت کے نام پر وہ ملکوں کو برباد کرنے میں بھی دریغ نہیں کرتے جیسا کہ انہوں نے افغانستان اور عراق میں کیا ہے۔حیرت ہوتی ہے کہ اپنے ملک میں آزادی ضمیر کا حق، آزادی تحریر کا حق اور بین الاقوامی انسانی حقوق کی صدائیں بلند کرنے والے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جس کا جو جی چاہے کرتا پھرے حتیٰ کہ اگر سلمان رشدی تمام انبیاء کے متعلق توہین آمیز کہانیاں لکھتا ہے تو اسے یہ حق حاصل ہے، اگر کوئی رسولوں کے سردار ﷺ کے انتہائی دل آزار کارٹون تیار کرتا ہے تو اسے بھی یہ آزادی حاصل ہے اور پھر ان سب کی آزادی کا دفاع کیا جاتا ہے لیکن اگر مسلمان عورت خواہ نیک نیتی سے اپنے مذہب پر عمل کرنا چاہیئے اور اپنی زینت کو غیروں کی نظروں سے بچانا چاہے تو اس بات کی آزادی نہیں دی جاسکتی کہ وہ جس قسم کا چاہے لباس پہن سکے۔کیا جمہوریت اسی کا نام ہے؟!

کلچر یا مذہب:

ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا نقاب اسلام کا لازمی حصہ ہے یا بعض مسلم ممالک کے کلچر کا حصہ ہے۔اس اہم پہلو کو اکثر بیان دینے والے اور میڈیا بھی فراموش کر دیتا ہے اور نقاب کو اسلام کے ساتھ منسلک کر کے اسلام کی برائیاں بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ایک بات مسلمانوں اور غیر مسلموں کو یاد رکھنی چاہیے کہ نقاب جس کے خلاف جیک سٹرا نے بیان دیا ہے وہ اسلامی تعلیم کا لازمی جزو نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق بعض مسلم ممالک کے کلچر کے ساتھ ہے۔سعودی عرب میں ایسا نقاب اور برقعہ پہنا جاتا ہے جس سے یہ بحث شروع ہوئی ہے۔جب سے سعودی عرب نے دوسرے ممالک مثلاً افریقہ میں اپنے ادارے قائم کئے ہیں تو وہاں بھی اس قسم کا نقاب پہنچنا شروع ہو گیا ہے۔ورنہ افریقہ کے اکثر ممالک میں جہاں مسلمان آباد ہیں وہاں پردے کا تصور سعودی عرب سے بالکل مختلف ہے۔طالبان نے افغانستان میں اپنی طرز کا برقعہ پہننے کا رواج شروع کیا تھا جو باقی ممالک میں شاذ ہی دکھائی دیتا ہے۔انگلستان میں بھی وہابی فرقہ سے منسلک لوگ سعودی طرز کا نقاب استعمال کرتے ہیں۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سعودی عرب میں پہنا جانے

والا نقاب عین اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے تو اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ کے وقت میں اسی قسم کا نقاب پہنایا جانا لازمی تھا تو پھر اسے اسلامی پردہ کہا جا سکتا ہے مگر قرآن، حدیث اور تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ایسا نہیں تھا۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں گروہ یعنی مسلمان اور برٹش سیاستدان اور عوام انتہا پسندی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ جو مسلمان اس نقاب کو اسلام کا لازمی حصہ قرار دے رہے ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ سعودی طرز کا نقاب اسلام کا حصہ نہیں ہے اسے اپنے ملک یا ایک اسلامی ملک کے کلچر کا حصہ کہا جا سکتا ہے مگر طالبان یا سعودی عرب کے پردہ کی طرز یا افریقہ کے بعض ممالک کے پردہ کے طریق کو اسلامی نہیں کہا جا سکتا۔ پھر جو مسلمان نقاب کے خلاف بیانات کو اپنے مذہب کی توہین سمجھ رہے ہیں انہیں اس بات کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ان کے اپنے دو اسلامی ملکوں یعنی ترکی اور تیونس نے اپنے ممالک کی عورتوں کے نقاب پہننے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ اسی طرح برٹش سیاست دانوں کو اور عوام کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے کہ سعودی طرز کا نقاب اسلام کا حصہ نہیں ہے اور اس نقاب کی آڑ میں انہیں اسلام اور اسلام کی تعلیم پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ مغربی ذرائع ابلاغ کے کردار کا یہ ایک منفی پہلو ہے کہ جہاں بھی انہیں کوئی بدعملی یا بدکرداری نظر آئے وہ اسے اسلام کی طرف منسوب کر دیتے ہیں حالانکہ وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے غلط کردار کو اس کے مذہب کی طرف منسوب نہیں کرتے۔

مسلمانوں کو ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام ایک سخت گیر اور انتہا پسند مذہب نہیں ہے اور نہ یہ کہ اسلام صرف عورتوں کے پردے کا نام ہے اور نہ اسلامی پردہ کی غرض عورتوں کو گھروں میں جیل خانہ کی طرح قید کرنے کی ہے۔ اسلام کی تعلیم حکمت اور سہولت پر مبنی ہے۔ بعض حالات میں انتہائی سخت قسم کا پردہ جیسا کہ طالبان یا سعودی عرب میں رائج ہے بے شمار معاشرتی قباحتوں پر منتج ہو کر رہ جائے گا۔ اگر اسی قسم کا پردہ افریقہ کے ملکوں میں لاگو کر دیا جائے تو سارے افریقہ کی اقتصادیات برباد ہو کر رہ جائے گی کیونکہ وہاں عورتیں زندگی کے ہر شعبہ میں مردوں سے زیادہ کام کرتی ہیں۔ اسی طرح اگر یورپ میں اسلام کو پھیلانا ہے تو جو عیسائی عورتیں مسلمان ہوں گی انہیں نسبتاً کم پردہ کی سہولت دینی پڑے گی اور انہیں اس بات کا عملی نمونہ دکھانا پڑے گا ورنہ کوئی یورپین عورت اسلام کی تعلیم کو جاننے یا اسلام کی طرف مائل نہ ہوگی اور مسلمانوں کا موجودہ طرز عمل اسلام کی تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بنا رہے گا۔

پردہ کے متعلق قرآنی تعلیم:

مندرجہ بالا تفصیل کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید جس پر اسلام کی تعلیم مبنی ہے کیا وہ طالبان کے طرز کے برقعہ کی تلقین کرتا ہے یا سعودی عرب کے نقاب پہننے کی نصیحت فرماتا ہے۔ قرآن کریم میں پردہ کی تعلیم اور اس کی فلاسفی کا ذکر سورۃ احزاب اور سورۃ نور میں ملتا ہے۔ قرآن کریم مردوں اور عورتوں کو سب سے پہلے نظر کے پردہ کی تلقین فرماتا ہے۔ مردوں کو کہا گیا ہے کہ وہ غض بصر سے کام لیں اور اپنی نگاہوں کو نیچی رکھا کریں۔ اسی طرح عورتوں کو کہا گیا ہے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی زینت کو غیروں پر ظاہر نہ کریں اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے سینہ سے گذار کر، اس کو ڈھانک کر پہنا کریں یعنی اپنے جسموں کو عمدگی سے ڈھانپ کر رکھا کریں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے بنیادی اصول بیان فرما دیئے ہیں اور کسی خاص قسم کے پردہ کے لئے سختی سے تلقین نہیں فرمائی۔ قرآن کریم کی تعلیم خدائے علیم اور حکیم کی طرف سے وحی پر مبنی ہے اور اس کی تعلیم کسی خاص قوم یا ملک کے لئے مخصوص نہیں۔ اس لئے بنیادی تعلیم اور اصول بیان فرمانے کے بعد ایمان والوں پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ کس طرح پردہ کرتے ہیں۔ اس میں ضروری بات یہ ہے کہ پردہ کی فلاسفی کو سمجھا جائے اور اس کی روح کو زندہ رکھا جائے۔ اس لئے یہ سختی کہ لازمی سعودی طرز کا نقاب ہی پہننا ہے یا طالبان کی طرز کا برقعہ ہی اصل اسلام ہے درست نہیں۔ جہاں حالات ایسے ہوں کہ عورت تعلیم یا طب کے شعبہ سے منسلک ہے وہاں سہولت ہے کہ اپنے پردہ میں نسبتاً کمی کر سکے اور اپنے فرائض کی ادائیگی کے علاوہ جس طرز کا پردہ کرنا چاہے، کر سکے۔

اسلامی پردہ کی اصل روح عورت کی عفت و پاکیزگی اور اس کے تقدس کی حفاظت ہے۔ اسلامی پردہ زمانہ جاہلیت کی یادگار یا کسی تنگ نظری کی پیداوار نہیں ہے اور نہ ہی اس کا مقصد جنسی امتیاز پیدا کرنا ہے۔ یہ بھی نہیں کہ اس کا مقصد مرد کو عورت پر فوقیت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پردہ کی تعلیم اس لئے دی ہے کہ گھر، چادر اور چار دیواری کا تقدس قائم رہ سکے اور معاشرہ اس طرح بے لگام نہ ہو کر رہ جائے کہ ان کا امن وامان برباد ہو کر رہ جائے۔ پردہ سے غرض عورت کو کسی قید میں ڈالنا مقصود نہیں بلکہ اس کی عزت واحترام اور تقدس کو قائم کرنا مطلوب تھا۔ ظہور اسلام سے قبل عرب کے معاشرہ میں عورت کی کوئی عزت اور احترام نہ تھا۔ جو چاہے اس پر ہاتھ ڈال سکتا تھا اور اس کی حیثیت جائیداد منقولہ سے بڑھ کر نہ تھی۔ ظلم کی حد تک جنسی آزادی اور عورتوں مردوں کا میل جول تھا۔ شراب، عورت اور دیگر اخلاقی برائیاں ان کے معاشرہ کی جان تھیں۔ تعدد ازدواج پر کوئی پابندی نہ تھی اور باپ کی وفات کے بعد بیٹا اُس کی بیویوں کا بھی وارث ہوتا تھا اور انہیں جائداد کے طور پر استعمال کر سکتا تھا۔ شائد اسی لئے بعض قبائل میں لڑکی کی پیدائش کو بے عزتی اور شرم کا باعث سمجھا جاتا تھا اور بعض اسے زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ اسلام کے ظہور کے بعد اس کی تعلیم کی روشنی میں اور رسول اللہ ﷺ کے عملی نمونہ سے معاشرہ میں ایک دم ایک ایسی تبدیلی آگئی جسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہی معاشرہ جہاں عورت کی کوئی عزت نہ تھی اسے بے جان اشیائے صرف کی طرح سمجھا جاتا تھا اسے مرد کے مساوی حقوق عطا کر دیئے گئے اور وہ اپنے خاوند اور بچوں کی شرعی وارث قرار دی گئی۔ وہی عورت جسے مرد جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا اسے یہ حق دیا گیا کہ وہ اگر چاہے تو اپنے خاوند سے خود طلاق حاصل کر سکے۔ آزادی نسواں کی آج تک جتنی بھی تحریکات چلی ہیں انہیں عورتوں نے چلایا ہے مگر عرب میں اس وقت عورتوں کو ایک مرد نے بغیر کسی مطالبہ کے سارے حقوق عطا فرما دیئے۔ نہ صرف یہ کہ حقوق عطا فرمائے بلکہ اس کا وقار اس قدر بلند کر دیا گیا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تمہاری جنت تمہاری ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ ایک تو وہ جنت ہے جو مرنے کے بعد ملتی ہے اور ایک وہ

جس سے اس دنیا کا معاشرہ جنت نظیر بن جاتا ہے۔

آج مغرب کے آزاد معاشرتی ماحول میں یہ تعلیم بہت سخت اور خشک اور بے کیف نظر آئے گی۔ مغرب کا مجموعی نظام اور سماجی ماحول اسے ضرور رد کر سکتا ہے۔ اگر وہ اپنی سطحیت سے ہٹ کر اپنے ماحول کا جائزہ لیں اور اپنے اطراف میں پیدا شدہ اخلاقی اور سماجی بیماریوں کو پہچان سکیں اور آئندہ نسلوں پر اُن کے اثرات کو مرتب ہوتا دیکھ سکیں تو شائد انہیں اسلام کی تعلیم اتنی بے رنگ اور نا گوار نہ معلوم ہو۔ آج مغرب میں جنس کو ایک فطری جذبہ سمجھا جا رہا ہے جس پر کوئی پابندی برداشت نہیں کی جا سکتی اور بلا روک ٹوک اس کی تسکین ہونی چاہیے۔ جتنی زیادہ عریانی اور بے حیائی کی نمائش ہو سکے اسے فخر کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ میڈیا ایسی خبریں پیش کرنے میں فخر محسوس کرتا ہے کہ فلاں مشہور عورت نے فلاں محفل میں ایسا لباس پہنا ہوا تھا کہ اس کا رنگین زیر جامہ نظر آ رہا تھا یا اس نے کچھ پہنا ہی نہ تھا۔ ایک وقت تھا کہ ہم جنسی کو مکروہ اور قابل نفرت سمجھا جاتا تھا مگر آج اسے تحفظ دیا جا رہا ہے۔ بلا روک ٹوک جنسی آزادی کے نتیجہ میں بے شمار بچے ایسے پیدا ہو رہے ہیں جنہوں نے کبھی باپ کی شکل نہیں دیکھی ہوتی اور مختلف قسم کی نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو کر معاشرے کا ناسور بنتے چلے جا رہے ہیں۔ جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے اس کی خطرناک علامات سے معاشرہ آنکھیں بند کئے ہوئے ہے۔ آج جو کچھ ہو رہا ہے وہ آج سے بیس تیس سال قبل کے معاشرہ سے بالکل مختلف ہے اور جو کچھ آج سے بیس تیس سال بعد ہوگا اس کی بھیانک تصویر سے انسان کانپ اٹھتا ہے۔ اس بات کو قتل و غارت کے واقعات پر منطبق کر کے دیکھیں کہ چھوٹے چھوٹے بچے قاتلوں کا روپ دھارتے چلے جا رہے ہیں جو بغیر کسی وجہ کے معصوم لوگوں کا خون بہا رہے ہیں۔ منشیات کا استعمال، لوٹ کھسوٹ، چوری اور دوسروں کو اذیت دینے میں لذت محسوس کرنا اور ہر سفلی جذبہ کی تسکین بہم پہنچانا اور فرحت محسوس کرنا اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ آپ کا آئندہ معاشرہ کس رنگ کا ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ آخر صرف بے پردگی اور بے حیائی اور جنسی تعلقات کی ہی آزادی کیوں ہو باقی تمام طبعی جذبات اور خواہشات کو بھی کیوں نہ آزاد کر دیا جائے لیکن اس کے نتیجہ میں جو کچھ ہوگا اس کے خوفناک شعلے معاشرتی زندگی کے باقی شعبوں کو بھی جلا کر راکھ کر دیں گے۔

سرائے انصار

مجلس انصاراللہ یوکے کے جملہ انصار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل اور حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری کے بعد مجلس انصاراللہ یوکے کو ۳۳ گریسن ہال روڈ بطور گیسٹ ہاؤس خریدنے کی توفیق ملی ہے۔ الحمدللہ۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے از راہ شفقت گیسٹ ہاؤس کا نام ''سرائے انصار'' رکھا ہے۔ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو جماعت اور انصاراللہ یوکے کے لئے ہر لحاظ سے بابرکت فرمائے۔ آمین۔

ماہانہ رپورٹس

مجالس اور ریجنز کی طرف سے مرکز کو ماہانہ کارگزاری رپورٹس بھجوانے کے لئے ہر ماہ کی دس تاریخ مقرر ہے۔ تمام زعماء اعلیٰ اور ریجنل ناظمین سے گزارش ہے کہ وہ اپنی اور اپنی مجالس کی ماہانہ رپورٹس بروقت مرکز میں بھجوانے کو یقینی بنائیں۔ مقررہ تاریخ کے بعد موصول ہونے والی رپورٹس علم انعامی کے مقابلہ کے لئے معیاری شمار نہیں ہونگی۔

(ایڈیشنل قائد عمومی انصار اللہ یوکے)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دیرینہ خادم اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے سابق کارکن مکرم لال دین صاحب امسال جلسہ سالانہ برطانیہ میں شرکت کے لئے پاکستان سے تشریف لائے، جلسہ کے بعد وہ ہمہ وقت مجلس انصاراللہ کے دفتر میں کام کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر دے۔ تصویر میں اُن کے ہمراہ مجلس عاملہ انصاراللہ برطانیہ کے بعض اراکین اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے چند سابق طلبہ موجود ہیں۔



ڈاکٹر عبد السلام

(ڈاکٹر شمیم احمد)

گارڈن فریز رسوٹزرلینڈ میں ذرّاتی فزکس کی یورپین لیبارٹری میں کام کرتے ہیں۔ وہ فزکس کے ایک ماہنامہ میگزین کے مدیر بھی ہیں۔ اس سے قبل وہ دنیا کی مختلف دانشگاہوں میں سائنس کمیونیکیشنز کے لیکچرر بھی رہ چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب Antimatter,The Ultimate Mirror میں دنیا بھر میں اس موضوع پر ہونے والی ریسرچ کا ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ دنیا کے نامور ترین ماہرین طبیعات کے حالات کا بھی تذکرہ ہے۔ اس کتاب میں ایک باب پروفیسر عبدالسلام صاحب اور اُن کی Animatter یعنی ضد مادہ پر ریسرچ کے متعلق بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح عبدالسلام صاحب کے حوالہ سے احمدیت کا بھی ذکر ہے جو قارئین کے لئے دلچسپی کا موجب ہونے کی وجہ سے پیش ہے۔ ساری کتاب میں دنیا بھر سے بے شمار ماہرین طبیعات کا ذکر ہے مگر عبدالسلام واحد مسلمان ہیں جن کا تذکرہ یہاں درج ہے۔

ستمبر 1956 کی بات ہے کہ ایک تیس سالہ پاکستانی ماہر طبیعات عبدالسلام امریکہ میں ایک فزکس کی کانفرنس میں شمولیت کے بعد کیمبرج (انگلستان) واپس آرہے تھے۔ انہوں نے عام پرواز کی بجائے امریکن ایئر فورس کے ایک طیارے سے واپس آنے کا فیصلہ کیا جو انگلستان کے ایک چھوٹے سے ایئر پورٹ پر اترنے والا تھا۔ ان دنوں امریکن ایرفورس یورپ میں کام کرنے والے ماہرین طبیعات کے ساتھ بڑی فراخدلی کا سلوک کیا کرتی تھی اور انہیں امریکہ اور یورپ کے درمیان فری سفر کی سہولت مہیا کیا کرتی تھی۔ گو یہ سفر فری ہوتا تھا مگر جہاز کم رفتار ہوتے تھے جس سے سفر لمبا ہو جاتا تھا اور پھر ان جہازوں میں ایرفورس کے ملازمین کی فیملیاں بھی سفر کر رہی ہوتی تھیں جن کے ساتھ بچے بھی ہونے کی وجہ سے ان کے شور کے نتیجہ میں سفر اور بھی دوبھر لگتا تھا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود اس سفر کے دوران عبدالسلام امریکہ میں ہونے والی کانفرنس میں نیوکلیر فزکس کے ایک اہم مسئلہ اور نئی دریافت پر رات بھر غور کرتے رہے۔ جیسا کہ بعد میں عبدالسلام نے بتایا کہ ''میں رات بھر اس مسئلہ پر غور کرنے کی وجہ سے سو نہ سکا۔ میں رات بھر یہ سوچتا رہا کہ قدرت نے ایسا سائنسی قانون کیوں بنایا ہے۔ بحر اوقیانوس پار کرتے ہوئے مجھے کافی حد تک اس اہم مسئلہ کا حل مل چکا تھا''۔ یہ وہ مسئلہ تھا جس کے بارہ میں ایک دفعہ پی ایرلز Peierls (ایک مشہور جرمن ماہر طبیعات جو مادہ اور ضد مادہ کے مضمون پر اتھارٹی تسلیم کیا جاتا ہے) نے عبدالسلام سے جب وہ نئے نئے یورپ میں ریسرچ کے لئے آئے تھے، سوال کیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ Neutrinos (ایٹم کے اندر ذرّات) کا وزن صفر کے برابر کیوں ہے؟ عبدالسلام کو اس وقت خوب اچھی طرح معلوم تھا کہ پی ایرلز ان کا امتحان نہیں لے رہا تھا بلکہ ان سے ایک ایسے مسئلہ کا جواب اور حل پوچھ رہا تھا جس کے بارہ میں دنیا میں کسی کو بھی پتہ نہیں تھا۔ حتیٰ کہ خود پی ایرلز بھی اس سوال کے جواب سے ناواقف تھا۔ فین مین (Feynman۔ ایک اور نامور ماہر طبیعات) کی طرح عبدالسلام کو بھی قدرت نے ایک غیر معمولی صلاحیت عطا کی ہوئی تھی کہ وہ مشکل سے مشکل ترین سائنسی مسائل کو سمجھنے اور انہیں حل کرنے کی بے پناہ اہلیت رکھتے تھے۔ اُس تکلیف دہ سفر میں عبدالسلام نے وہ مسئلہ حل کر لیا جس کے بارہ میں کئی سال پہلے پی ایرلز نے ان سے سوال کیا تھا۔ عبدالسلام نے سفر کے دوران ہی فوراً نوٹ تیار کر لئے۔

(اس کے بعد مصنف نے ان کی تھیوری کی تکنیکی تفصیل بیان کی ہے جسے طوالت کی وجہ سے چھوڑا جا رہا ہے۔)

اگلے دن عبدالسلام نے فوری طور پر اپنے کیمبرج کے آفس میں پہنچ کر چند کتب کا مطالعہ کیا اور اپنی نئی تھیوری کی نوک پلک سنوارنے کے بعد پی ایرلز سے ملنے بذریعہ ٹرین برمنگھم چلے گئے تا کہ دنیا کے مشہور ترین ماہر طبیعات کو بتائیں کہ چند سال قبل اس نے جو سوال پوچھا تھا اس کا جواب دنیا میں پہلی دفعہ عبدالسلام کو اپنی نئی تھیوری کے مطابق مل گیا ہے۔ پی ایرلز اپنے گھر کے دروازہ پر عبدالسلام کو کھڑا دیکھ کر حیران ہوا اور ان کا جواب سنا۔ پی ایرلز نے عبدالسلام کو جواب دیا کہ اسے عبدالسلام کی تھیوری پر یقین نہیں۔ غالباً عبدالسلام نے پی ایرلز سے ملاقات اور اپنی تھیوری کا انکشاف ذرا جلدی کر دیا تھا کیونکہ ابھی مناسب وقت نہیں آیا تھا کہ اس تھیوری کا اظہار کیا جاتا۔ لیکن عبدالسلام ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے اپنا مضمون اپنے ایک مہربان کے توسط سے زیورخ سوٹزرلینڈ میں پالی (Pauli) کو بھجوایا جو ذرّاتی فزکس کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔ پالی سے عبدالسلام کو ایک مایوس کن جواب آیا جو یہ تھا کہ ''میرے دوست عبدالسلام کو میرا اسلام پہنچایا جائے اور اسے کہو کہ وہ کسی اَور بہتر مضمون کے متعلق سوچے''۔ اس دوران چند اور سائنس دانوں نے بھی ریسرچ کی تو ان کے نتائج عبدالسلام کی تھیوری کے عین مطابق تھے۔ جب اس کا خوب چرچا ہوا تو چند ماہ کے بعد پی ایرلز نے عبدالسلام کو لکھا کہ اب وہ ان کی تھیوری سے بالکل متفق ہے۔ اس کے بعد بہت سے سائنسدانوں نے Neutrinos کے وزن پر ریسرچ کی مگر سب کو عبدالسلام کی تھیوری سے متفق ہونا پڑا۔ ان کی اس تھیوری اور اس پر لکھے گئے مضمون نے ایک کافی پرانا مسئلہ حل کر دیا جو بہت سے ماہرین طبیعات کے لئے پیچیدہ اور لاینحل تھا اور ایٹم کو سمجھنے میں رکاوٹ بنا ہوا تھا۔

ابتدا میں 1949ء میں عبدالسلام نے پاکستان سے آنے کے بعد کیمبرج یونیورسٹی میں بطور ریسرچ طالب علم کام شروع کیا۔ انہوں نے ایٹم کے ذرّات پر حیرت انگیز تیز رفتاری کے ساتھ ایک ریکارڈ وقت میں اپنا کام مکمل کیا اور بہت جلد بے شمار مضامین لکھے جو فزکس کی دنیا میں سنگِ میل کی حیثیت کے حامل ہیں۔ 1951ء میں عبدالسلام نے پاکستان واپس جانے کا فیصلہ کر لیا اور پچیس سال کی عمر میں پنجاب یونیورسٹی میں فزکس کے پروفیسر کے طور پر کام شروع کر دیا۔ وہاں انہیں احساس ہوا کہ نہ وہاں ریسرچ کا مزاج ہے اور نہ ہی سہولتیں ہیں۔ نہ لائبریری ہے اور نہ کام کرنے کا شوق، ولولہ اور جذبہ۔ ہیجان خیزی کے ساتھ کام کرنا عبدالسلام کے خون میں شامل تھا اور جمود کے ساتھ رہنا ان کے لئے ناممکن۔ اس لئے عبدالسلام نے 1954ء میں اپنے وطن کو خیر باد کہہ کر واپس انگلستان آنے کا فیصلہ

کرلیا اور یونیورسٹی میں ایک لیکچرر کے طور پر کام کرنا شروع کر دیا۔ اپنی تھیوری کی وجہ سے شہرت اور کامیابیاں حاصل کرنے کے ساتھ 31 سال کی عمر میں انہیں امپیریل کالج لنڈن میں نظریاتی فزکس کا پروفیسر مقرر کر دیا گیا جہاں نہ صرف اپنی ریسرچ جاری رکھی بلکہ ترقی پذیر ملکوں میں سائنس کی تعلیم اور ترقی کے لئے انتھک محنت کی۔

عبدالسلام کو اپنے ملک میں جس قسم کی علمی اور تعلیمی تنہائی کا احساس ہوا تھا اسے یاد رکھتے ہوئے انہوں نے 1963ء میں اٹلی میں نظریاتی فزکس کا ایک انٹرنیشنل سینٹر قائم کیا جہاں دنیا کی اعلیٰ ترین ریسرچ کی جاتی ہے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا بھر کے نوجوان سائنس دان اپنے کریئر کے آغاز میں ہی فرنٹ لائن کی ریسرچ سے بہرہ ور ہو کر اپنے علم کو فروغ دیں اور جو سہولتیں انہیں اپنے ملک میں حاصل نہ ہوں، ان سے اس سینٹر میں فائدہ اٹھائیں۔ 1979ء میں عبدالسلام کی زندگی اور شہرت کے عروج کا زمانہ تھا جب انہیں اپنے کام کی بناء پر نوبل پرائز دیا گیا۔ دنیا بھر میں ان پر تکریم اور اعزازات کی بارش ہونے لگی۔ ان کے اپنے ملک پاکستان میں جنرل ایوب خان کے دَور میں (1969-1958) عبدالسلام کو خاصہ رسوخ حاصل تھا۔ باوجود اس امر کہ عبدالسلام اپنے ملک میں واحد شخصیت کے حامل تھے جنہیں نوبل پرائز حاصل کرنے کا اعزاز حاصل تھا مگر ان کے اپنے ملک میں ان کی وہ عزت و تکریم نہ کی گئی جس کے وہ مستحق تھے۔ اس کی صرف ایک وجہ تھی کہ ان کا تعلق احمدیہ فرقہ کے ساتھ تھا۔ 1974ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے دَور حکومت میں جب پاکستان کی نیشنل اسمبلی نے احمدیوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیدیا تو عبدالسلام نے حکومت پاکستان کے نیشنل سائنٹفک مشیر کے بااثر اور پُررسوخ عہدے کو خیر باد کہہ دیا۔

احمدی جن کو مرزائی اور قادیانی بھی کہا جاتا ہے، اُن کا اعتقاد ہے کہ مرزا احمد جو کہ ہندوستان کے شمال میں انیسویں صدی میں پیدا ہوئے تھے، امام مہدی اور مسیح تھے۔ یہ عقیدہ عام مسلمانوں کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ احمدی پاکستان، ہندوستان اور افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ گو ان کی تعداد کم ہے مگر انہیں اکثر تعصب کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ 1979ء میں جب عبدالسلام کو نوبل پرائز دیا گیا تو ضیاء الحق نے جو اس وقت پاکستان کا صدر تھا، انہیں بلوایا اس وقت ان کا ایک لیکچر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد میں ہونا تھا مگر طالب علموں کی ایک تنظیم جو تشدد کے لئے مشہور ہے، کے شر سے بچنے کے لئے لیکچر نہ دیا جا سکا۔ بینظیر بھٹو جب پہلی دفعہ پاکستان کی صدر منتخب ہوئی تو اس نے عبدالسلام سے ملنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد تعصّبانہ سرد مہری کی انتہاء اس وقت ہوئی جب لاہور کے گورنمنٹ کالج میں جہاں عبدالسلام نے تعلیم پائی تھی ایک میٹنگ میں کالج کے مایہ ناز طالب علموں کی لسٹ پڑھی گئی جس میں سب کے نام تھے صرف عبدالسلام کا نام نہیں تھا۔

عبدالسلام 1926ء میں برٹش انڈیا کے ایک شہر میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی اعلیٰ ترین قابلیت، نہ ختم ہونے والی قوت، ذہانت و فراست اور جلد جلد ترقی کرنے کی اہلیت نے انہیں اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ ہر قسم کی ذہنی اور سیاسی مشکلات پر بڑی آسانی کے ساتھ قابو پا سکتے تھے۔ ان ہی خوبیوں کی بدولت وہ جلد بین الاقوامی شہرت کے حامل بن گئے۔ برصغیر ہندو پاک کے چند ایک ہی لوگ ہوں گے جو اپنی زندگی میں اس مقام پر پہنچ سکے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی کامیابیوں اور شہرت سے محظوظ ہوتے، شومئی تقدیر سے ان کی جسمانی طاقت ان کا ساتھ نہ دے سکی اور ایک اعصابی بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہو گئے۔ پہلے انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ وہ ریسرچ اور دیگر کاموں کو جاری رکھ سکیں مگر اس بیماری نے انہیں لاچار کر دیا اور انہیں اپنے قائم کردہ اٹلی کے سینٹر میں بطور ڈائریکٹر کام جاری رکھنا مشکل ہو گیا۔

1994ء میں ان کے سینٹر نے ان کے اعزاز میں ایک سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں ساری دنیا سے ان کے ہم عصر سائنسدانوں، طالب علموں اور مداحوں نے شرکت کی۔ ان میں ایک بہت نامور سائنس دان فرینک ہینگ بھی شامل تھے جن کے کام اور ریسرچ سے 1956ء میں عبدالسلام بہت متاثر ہوئے تھے۔ اس کانفرنس کے اختتام پر عبدالسلام کو یونیورسٹی آف پیٹرز برگ (روس) کی طرف سے اعزازی ڈگری دی گئی۔ یونیورسٹی کے ریکٹر بذاتِ خود اس تقریب میں شمولیت کے لئے خصوصی طور پر تشریف لائے تھے۔ عبدالسلام نے ساری تقریب اپنی ویل چیئر پر بیٹھ کر دیکھی مگر اپنی صحت کی خرابی کی بناء پر خطاب نہ کر سکے۔ تقریب کے اختتام پر سارے حاضرین بڑے صبر و تحمل کے ساتھ اپنی باری کا انتظار کرتے رہے کہ وہ بذاتِ خود عبدالسلام کو ان کی کامیابیوں کی مبارک باد پیش کریں۔ دنیا کے مشہور ترین پروفیسروں کے بعد نوجوان طالب علموں کی باری تھی۔ سب سے آخری باری پاکستان کے ایک نوجوان سائنس دان کی تھی جسے عبدالسلام کے سینٹر میں ریسرچ کے لئے آنے کا موقعہ ملا تھا۔ اس نوجوان سائنس دان نے جھک کر عبدالسلام کو مخاطب کر کے کہا'' سر! میں پاکستان سے آیا ہوا ایک طالب علم ہوں، ہم آپ کو بے حد فخر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں''۔ عبدالسلام کے کندھوں میں لرزش پیدا ہوئی اور ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

اپنی بیماری کے ہاتھوں مجبور ہو کر عبدالسلام آکسفورڈ میں اپنے گھر منتقل ہو گئے۔ ان کے لئے گفتگو کرنا مشکل ہو گئی سوائے چند ان لوگوں کے جو اُن کی مادری زبان پنجابی میں گفتگو کر سکتے تھے۔ عبدالسلام 1996ء میں دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے مگر ان کی فزکس کی دنیا کے لئے خدمات اور ان کا قائم کردہ اٹلی میں سینٹر ان کی ایک اعلیٰ یادگار کے طور پر ہمیشہ قائم رہے گا۔

قیادت مال

مجلس انصاراللہ کے مالی سال کے اختتام میں صرف دو ماہ باقی ہیں۔ تمام انصار بھائیوں کی خدمت میں درخواست ہے کہ اپنے چندہ مجلس کے بقایا کی ادائیگی کی طرف توجہ کریں۔ اسی طرح سالانہ اجتماع انصاراللہ کے چندہ کی فوری ادائیگی کو بھی یقینی بنائیں۔ چندہ اجتماع کی ادائیگی اجتماع سے قبل ہونا ضروری ہے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(قائد مال، مجلس انصاراللہ برطانیہ)

انصار ڈائجسٹ

محمود احمد ملک

اس کالم میں قارئین کی طرف سے موصول شدہ دلچسپ اور مفید تحریریں شامل اشاعت کی جاتی ہیں۔ قارئین خود لکھ کر یا اپنے زیر مطالعہ کسی کتاب یا رسالہ سے اخذ کرکے ہمیں کچھ بھی بھجواسکتے ہیں۔ تحریر مختصر اور باحوالہ ہونی چاہئے۔ ہمارا پتہ ہے:

Ansar Digest, 22 Deer Park Road, London SW19 3TL.　　e-mail: ansar_digest@yahoo.co.uk

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی نصیحت

انصار سلسلہ کی ترقی کیلئے دعائیں کریں

''وہ عمر کے لحاظ سے جماعت کے ایسے طبقہ میں شامل ہیں جن کو عموماً عبادت کی زیادہ توفیق ملتی ہے، دعاؤں کی زیادہ توفیق ملتی ہے۔ بعض انصار تو ایسے بھی ہیں جو لیٹے رہتے ہیں کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مگر ان کی دعاؤں میں اتنی قوت اور اتنی شوکت ہوتی ہے کہ وہ لیٹے لیٹے ہزاروں چلنے پھرنے والوں سے آگے نکل جاتے ہیں۔...... پس انصار اللہ میں ایسے بھی بزرگ ہیں جو بہت بوڑھے ہیں۔ بستر پر پڑے ہوئے ہلنے جلنے کی بھی طاقت نہیں رکھتے۔ دوسرے لوگ سہارا دیتے ہیں تو حرکت کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے دل زندہ اور ہمتیں جوان ہیں، اُن کی دعاؤں میں اتنی طاقت ہے کہ وہ عرش کے پائے ہلا دیتی ہیں۔ غرض اس لحاظ سے انصار اللہ کا یہ کام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور دعاؤں کی برکت سے بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھیں، بڑھاپے کی کمزوریاں ان کے کام میں جو کمی پیدا کر دیتی ہیں اُس کمی کو دعاؤں کی برکت سے وہ پورا کر سکتے ہیں بلکہ پورا کرنے سے بھی زیادہ اپنے دامن کو برکتوں سے بھر سکتے ہیں۔''

(اجتماع انصار اللہ ربوہ 1982ء سے خطاب)

آسمانی بجلی موبائل کے لئے خطرناک

طوفان بادوباراں میں کھلے آسمان تلے موبائل فون کا استعمال انتہائی خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ برطانیہ کے ایک طبی جریدہ میں ایک لڑکی کی کہانی شائع کی گئی ہے جو بارش کے دوران گھر سے باہر موبائل فون پر بات کر رہی تھی جب اس پر بجلی گری اور وہ بری طرح جھلس گئی۔ موبائل فون میں موجود دھات کے ذریعے بجلی لڑکی کے بدن میں منتقل ہوگئی۔ یہ واقع لندن کے ایک پارک میں پیش آیا۔ بجلی گرنے کی نتیجے میں جس کان پر اس نے موبائل فون لگا رکھا تھا اس کا پردہ پھٹ گیا اور وہ سننے کی صلاحیت سے محروم ہوگئی۔

ماہرین موسمیات کے مطابق دنیا بھر میں ہر وقت قریباً 1800 طوفان بادوباراں یا گرج چمک کے ساتھ بارشیں ہوتی رہتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سیکنڈ میں اوسطاً سو جگہوں پر بجلی گرتی ہے۔ بجلی کی لہر 14 ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے سفر کرتی ہوئی زمین پر پہنچتی ہے جس میں تین لاکھ وولٹ کی بجلی ہوتی ہے اور یہ سب ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصہ میں ہوجاتا ہے۔ اس سے قرب و جوار کی فضا میں درجہ حرارت تیس ہزار سینٹی گریڈ تک پہنچ سکتا ہے جو سورج کے درجہ حرارت سے پانچ گنا زیادہ ہے۔

نارتھ وک پارک ہسپتال لندن میں جن ڈاکٹروں نے اس لڑکی کا علاج کیا تھا وہ اس سے قبل تین اور لوگوں کا علاج کر چکے ہیں جو موبائل فون سنتے وقت بجلی گرنے کی وجہ سے زخمی ہوگئے تھے۔ تاہم ان تینوں میں سے کوئی جانبر نہ ہوسکا۔ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ گو بجلی گرنے کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں اور عام حالت میں بجلی انسانی جسم کے اندر سرایت نہیں بھی کرتی لیکن موبائل فون پر بات کرتے وقت یہ آپ کے جسم کے اندر سرایت کر جاتی ہے جس میں کہیں زیادہ نقصان ہوسکتا ہے۔

چھاتی کا ایکسرے، کینسر کا خطرہ

تحقیق کے مطابق ایکسرے ان خواتین میں چھاتی کے سرطان کا خطرہ بڑھا دیتا ہے جن میں اس کے امکانات مخصوص جینز کی وجہ سے زیادہ ہوں۔ سولہ سو خواتین پر کی گئی تحقیق کے نتیجے میں یہ پتہ چلا ہے کہ 'بی آر سی اے 1 اور 2 جینز' کی حامل خواتین میں ایکسرے کے اثرات نمایاں ہیں۔ اور بیس سال سے کم عمر کی خواتین میں یہ خدشہ بہت زیادہ ہے۔ یہ تحقیق فرانس میں 'انٹرنیشنل ایجنسی فار ریسرچ آن کینسر' کے تحت کی گئی۔

تحقیقی ٹیم کی رکن ڈاکٹر ڈیوڈ گولڈ گار نے کہا کہ 'یہ پہلی تحقیق ہے جو یہ ثابت کر رہی ہے کہ جو خواتین موروثی طور پر کینسر کا زیادہ خطرہ رکھتی ہیں وہ دوسروں کی نسبت تابکاری کا زیادہ شکار ہوسکتی ہیں۔ اگر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے تو ایسے جینز کی حامل خواتین ایکسرے کے متبادل پر غور کر سکتی ہیں جس میں MRI بھی شامل ہے'۔

تحقیق کے دوران یہ بات سامنے آئی ہے کہ جن خواتین میں 'BRCA-1 & 2' جینز پائے جاتے ہیں ان میں ایکسرے کے بعد کینسر کا خطرہ 54 فیصد بڑھ جاتا ہے۔ بیس سال کی عمر سے پہلے ایکسرے کروانے والی خواتین میں چالیس سال کی عمر سے پہلے کینسر کے امکانات اڑھائی گنا بڑھ جاتے ہیں۔

ڈاکٹر ڈیوڈ کے مطابق BRCA پروٹین خلیوں کی مرمت میں اہم کردار ادا کرتے ہیں جبکہ ایسی صورتحال میں جب کہ یہ جینز ٹھیک نہ ہوں تو ایکسرے سے ہونے والے نقصان کا ازالہ کیا جانا مشکل ہوجاتا ہے۔

تاہم ایسی خواتین میں ایکسرے کے باوجود کینسر نہ ہونے کے شواہد بھی موجود ہیں۔ برطانیہ میں غیر سرکاری تنظیم 'کینسر ریسرچ' کی ڈاکٹر لارا جین کا کہنا ہے کہ 'اگرچہ یہ نتائج دلچسپ ہیں تاہم ابھی یہ حتمی نہیں ہیں اور اس کے لئے مزید تحقیق کی ضرورت ہے'۔

ڈاکٹر ایما پینری کا کہنا ہے کہ 'یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ نوے فیصد خواتین میں چھاتی کا سرطان موروثی وجوہات کی بنا پر نہیں ہوتا اور زیادہ تر خواتین کو ایکسرے کی ضرورت پڑ جاتی ہے'۔ ڈاکٹر سارا راولنگ نے کہا کہ 'برطانیہ میں ہر سال 41 ہزار خواتین چھاتی کے سرطان کا شکار ہوتی ہیں جن میں سے پانچ فیصد موروثی وجوہات یعنی BRCA جینز کی وجہ سے کینسر میں مبتلا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ کینسر کی بروقت تشخیص کے لئے بھی ایکسرے کی ضرورت ہوتی ہے'۔

عہدِ جدید کے اولین زیورات

سائنسدانوں نے ایسے جواہرات کی نشاندھی کی ہے جن کے بارے میں قیاس کیا جارہا ہے کہ انہیں جدید دَور کے اوّلین لوگوں نے بنایا تھا۔ ان میں سے تین سیپیوں کے بارہ میں محققین کا قیاس ہے کہ نوے ہزار سے ایک لاکھ سال پہلے کی ہیں۔ ان میں دو قدیم سیپیاں اسرائیل میں کوہِ کارمل کی ڈھلان پر واقع سخل نامی غار سے اور ایک الجیریا میں عود جبلانا کے مقام سے ملی ہے۔

امریکی سائنس جرنل کے مطابق اس سلسلہ کی دیگر دریافتیں نئی دریافتوں سے بھی 25 ہزار سال قدیم ہوسکتی ہیں۔ محققین کا کہنا ہے کہ ان سیپیوں میں یکساں فاصلوں پر ایک جیسے سوراخ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں ہار یا کڑوں میں استعمال کیا جاتا ہوگا۔ ان سیپیوں کی بناوٹ آثار قدیمہ کے ذریعے منکشف ہونے والے انسانی طرزِ عمل کے بارہ میں اہم پیش رفت کا پتہ دیتی ہے۔ نیچرل ہسٹری میوزیم لندن کے پروفیسر کرس سٹرینگر کا کہنا ہے کہ 'ہار یا اس طرح کے دوسرے زیورات کے استعمال کی حیثیت علامتی ہوتی ہے اور جب ہم اس طرح کی چیزیں پہنتے ہیں تو ہم کوئی خاص طرح کا پیغام دے رہے ہوتے ہیں۔ یہ پیغام طاقتور، دولتمند اور جنسی ہونے کے اظہار کے علاوہ اس بارہ میں بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کا سوشل سٹیٹس کیا ہے۔

ناروے کی برجن یونیورسٹی کے پروفیسر کرسٹوفر ہینشلوڈ کا کہنا ہے کہ قبل ازیں خیال کیا جاتا تھا کہ دنیا کے قدیم ترین زیورات 45 ہزار سال پرانے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان سیپیوں کو دریا سے اٹھا کر غاروں تک لے جایا گیا ہوگا جبکہ قریب ترین دریا بھی وہاں سے بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

'آدھے سر میں درد کا نیا علاج'

ایک ایسا آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس کے ذریعے آدھے سر میں درد یا مائیگرین سے چھٹکارہ مل سکے گا تاہم محققین کا کہنا ہے کہ درد کو شروع ہونے سے پہلے ختم کرسکنے والے اس آلے کو استعمال کئے جانے سے پہلے اس آلے کی مزید آزمائش کی جانی چاہئے۔ اس دستی آلے کے ذریعے ایسی برقی مقناطیسی لہریں پیدا ہوں گی جو سر کے درد میں تسلسل کو منقطع کردیں گی۔ سر میں درد کے ماہرین کی امریکی سوسائٹی کے اجلاس کے دوران محققین نے بتایا کہ اس آلے کے ذریعے متلی اور شور سے متاثر ہونے والے حساس لوگوں کا علاج ہوسکے گا۔

جن لوگوں کو مائیگرین یا آدھے سر میں درد ہوتا ہے وہ اکثر شکایت کرتے ہیں کہ انہیں ستارے ٹوٹ کر گرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں یا روشنی کی آڑی ترچھی لکیریں دکھائی دیتی ہیں یا بینائی متاثر ہوتی ہے، کمزوری محسوس ہوتی ہے یا جھنجھلاہٹ اور ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ جیسے کچھ سمجھ نہ آرہا ہو۔ یہ وہ اشارے ہیں جو مائیگرین یا آدھے سر میں درد کے دوران یا شروع ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ TMS نامی آلہ ایک دھاتی کوائل یا مسلسل گھومتے ہوئے دھاتی تار کے ذریعے ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصے کے برابر وقت کے لئے انتہائی طاقتور برقی مقناطیسی فضا پیدا کرے گا اور اس سے پہلے کہ درد باقاعدہ شکل اختیار کرے درد کے تسلسل کو منقطع کردے گا۔ اب تک سر میں ہونے والے اس درد کا علاج درد کو دبانے والی گولیوں یا 'ٹرپٹین' کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ یہ گولیاں عام طور پر درد کے آثار کی بجائے درد کے اسباب کو دُور کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اب تک اس آلے کے ذریعے جن 23 لوگوں کا علاج کرنے کی کوشش کی گئی ہے ان میں سے انہتر فی صد کا کہنا ہے کہ ان کا درد یا تو مکمل طور پر ختم ہوگیا یا اس میں بڑی حد تک کمی ہوئی جبکہ 42 فیصد نے اس علاج کو انتہائی اچھا قرار دیا۔ اوہائیو یونیورسٹی کے ڈاکٹر یوسف محمد کا کہنا ہے کہ 'اس آلے کے کوئی مضر اثرات سامنے نہیں آئے'۔ مائیگرین ایکشن ایسوسی ایشن کی ڈائریکٹر ایم ٹرنر کا کہنا ہے کہ 'ابتدائی نتائج انتہائی حوصلہ افزا ہیں تاہم اسے عام کرنے سے پہلے وسیع پیمانے پر تجربات کئے جانے چاہئیں کیونکہ مریضوں کو اس کے استعمال کی عادت پڑسکتی ہے'۔

معمر ترین کچھوے کا انتقال

ہریٹ نامی کچھوا جس کو دنیا میں موجود تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ معمر تصور کیا جاتا تھا چند ماہ قبل آسٹریلیا میں 175 سال کی عمر میں معمولی علالت کے بعد حرکت قلب بند ہوجانے سے انتقال کرگیا۔ دنیا میں زندہ مخلوقات جن کی عمر کے بارے میں انسان کو علم ہے ان میں یہ کچھوا سب سے زیادہ معمر تھا۔

آسٹریلیا میں کوئنز لینڈ کی سن شائن کوسٹ پر واقع چڑیا گھر میں یہ کچھوا سیاحوں کی دلچسپی کا مرکز تھا۔ گذشتہ سال چڑیا گھر میں، جہاں ہیریٹ نے اپنی زندگی کے سترہ سال گزارے تھے، ہیریٹ کی سالگرہ بھی منائی گئی تھی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ کچھوا برطانوی سائنسدان چارلس ڈارون کے مشاہدہ میں بھی رہا تھا۔ اس مادہ کچھوے کے DNA ٹیسٹ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ کچھوا 1830ء کے لگ بھگ پیدا ہوا تھا اور اس سے پانچ سال بعد ڈارون نے اس علاقہ کا دورہ کیا تھا۔

آخری سالگرہ کے موقع پر ہیریٹ کا وزن ڈیڑھ سو کلوگرام اور حجم کھانے کے میز کے برابر تھا۔ اس کی دیکھ بھال پر مامور عملہ کے مطابق کچھوے کی طویل العمری کا راز اس کی بےفکری اور غموں سے پاک زندگی تھی۔

انسانی ذہن پڑھنے والا کمپیوٹر

اب تک کئی لوگ تو دوسروں کی ذہنی کیفیت جاننے کا دعویٰ کرچکے ہیں مگر وہ وقت دور نہیں جب آپ کی سوچیں کمپیوٹر بھی جان سکے گا۔ چنانچہ برطانیہ کی رائل سوسائٹی سمر سائنس نامی ادارہ لوگوں کو دعوت دے رہا ہے کہ وہ کمپیوٹر کو غم، خوشی اور دیگر جذبات سے باشعور کرنے میں ان کی مدد کریں۔ اس خصوصی کمپیوٹر پروگرام کو ڈیزائن کرنے والے ماہرین کا کہنا ہے کہ کمپیوٹر میں یہ نئی صلاحیت پیدا کرنے سے صارفین میں اضافہ ہوگا اور اس کے کئی استعمال ہوں گے۔ مثلاً ڈرائیونگ کے دوران مدد دینے کے علاوہ یہ کئی طرح کے دماغی مریضوں کے لئے فائدہ مند ہوگا۔

اس خصوصی پروگرام کے لئے کمپیوٹر کے ساتھ کیمرہ بھی نصب ہے جو استعمال کرنے والے شخص کے چہرے کے زاویوں اور لکیروں سے یہ اخذ کرسکے گا کہ کمپیوٹر پر بیٹھا شخص کس موڈ میں ہے۔

یہ حساس کیمرہ چہرے کی بیس معمولی حرکات کو ریکارڈ کرسکے گا مثلاً سر کی جنبش، ابروؤں کا اوپر یا نیچے ہونا یا منہ اور ہونٹوں کی حرکات وسکنات وغیرہ۔ چہرے کے زاویوں کے امتزاج سے کمپیوٹر سافٹ ویئر اخذ کرے گا اس سے غصہ، خوشی یا غم ظاہر ہورہا ہے۔

کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر پیٹر رابنسن کا کہنا ہے کہ وہ گاڑیوں کی ایک کمپنی کے ساتھ مل کر کام کررہے ہیں جس کا خیال ہے کہ اگلے پانچ سال تک یہ جدید سافٹ ویئر گاڑیوں میں نصب کردیا جائے گا جس سے محفوظ ڈرائیونگ میں مدد ملے گی۔